ہوئے اور کہا: عمار قتل کر دیے گئے ہیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ''انہیں باغی جماعت قتل کرے گی''۔ یہ سن کر عمرو بن العاص گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور واپس پلٹتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوئے۔۔۔(۱))

تاہم مجھے عمرو بن حزم کے کسی سوانح نگار سے یہ تصریح نہیں ملی کہ انہوں نے صفین میں شرکت کی تھی۔ وہ ۵۰ ہجری کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وفات پا گئے۔

(۱) (دیکھیے: [۳۷۲])۔

تیسرا مبحث: وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے جنگِ صفین سے کنارہ کشی اختیار کی:

پہلی شخصیت: عبداللہ بن عمر بن خطاب عدوی قرشی رضی اللہ عنہما:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات سنی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد مسلمانوں کے آپس میں قتال کرنے سے منع فرمایا تھا۔

[۱۵۵] امام بخاری نے روایت کیا ہے: ہم سے حجاج بن منہال نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے شعبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: مجھے واقد بن محمد نے خبر دی، وہ اپنے والد سے، اور وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ: انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے: ''میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض، بعض کی گردنیں مارنے لگ جاؤ''(۱)۔

(۱) صحیح البخاری(٦٦٦٦)۔

اور یہ (حدیث) خطبۃ الوداع کا حصہ ہے۔

اوران (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کے اقوال میں سے ہے:

[۱۵٦] ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ احمد بن یونس، ابوشِہاب، یونس اور نافع کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ابن زبیر کے زمانے میں، جب خوارج اور خشبیہ [(۱)] کا فتنہ برپا تھا اور قتل وقتال کا اندیشہ تھا، یہ سوال کیا گیا: کیا آپ ان لوگوں کے ساتھ بھی نماز پڑھتے ہیں اوران کے ساتھ بھی، حالانکہ ان میں سے بعض، بعض کو قتل کررہے ہیں؟ توانہوں نے جواب دیا: جو مجھے حیّ علی الصلاۃ کہہ کر بلاتا ہے، میں اس کی پکار پر لبیک کہتا ہوں، جو حیّ علی الفلاح کہتا ہے، میں اس کی بھی پکار پر لبیک کہتا ہوں، لیکن جو مجھے اپنے بھائی کو قتل کرنے اوراس کا مال لوٹنے کے لیے بلائے، تو میں صاف کہتا ہوں: نہیں! [(۲)]

---

(۱) **الخَشَبِيَه:** رافضیوں کا ایک فرقہ ہے، اوروہ مختار بن ابی عبید ثقفی کے پیروکار تھے۔ روافض کواس نام سے اس وقت پکارا جاتا تھا جب وہ ابھی "رافضہ" کے نام سے معروف نہیں ہوئے تھے، یعنی اس وقت سے پہلے جب زید بن علی بن الحسین رحمہما اللہ نے ان سے براءت کا اظہار کیا۔ انہیں "خشبیہ" کہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ لکڑیوں (یعنی لاٹھیوں اور ڈنڈوں) سے قتال کرتے تھے اور تلوار سے جنگ کو صرف اس وقت جائز سمجھتے تھے جب کسی معصوم امام از آلِ بیت کے جھنڈے تلے جنگ کی جائے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: [خشبی، سلف کے عرف میں رافضی کو کہا جاتا تھا۔ پس خشبیہ، روافض ہی کی ایک قسم ہے، جنہوں نے ایک بار لکڑیوں سے قتال کیا تھا، تو اسی نسبت سے ان کا یہی نام مشہور ہوگیا] (**المشتبه في أسماء الرجال و أنسابهم، ۱/۲۱۷**)

دیکھو: الطبقات الکبریٰ (۵/۱۴۷)، انساب الاشراف (٦/۳۹۷) الفصل فی الملل والاھواء والنحل (۴/۱۴۲)، النہایہ لابن الاثیر (۲/۳۳)، **فرق معاصرة تنتسب إلى الإسلام لغالب عواجي (۱/۳۴۵)**۔

(۲) الطبقات الکبریٰ (۴/۱٦۹-۱۷۰) میں مذکور اس روایت کی سند ابوشھاب کی وجہ سے حسن ہے، اوروہ ہیں: عبدربہ بن نافع الحناط الکوفی جو صدوق ہیں، کبھی کبھار وہم کرتے ہیں، اور شیخین (بخاری ومسلم) کے رجال میں سے ہیں۔ باقی تمام راوی ثقہ ہیں اور وہ بھی شیخین کے رجال میں شمار ہوتے ہیں۔ احمد بن یونس: ان کا مکمل نام احمد بن عبداللہ بن یونس التمیمی الکوفی ہے، اورانہیں ان کے دادا یونس کی طرف منسوب کرکے پہچانا جاتا ہے، تخفیف کے لیے۔ یونس: وہ یونس بن عبید بن دینار العبدی البصری ہیں۔ نافع: وہ نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

التخریج:

اسے ابونُعَیم نے حلیۃ الاولیاء (۱/۳۰۹) میں احمد بن یونس کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اور امام ذہبی نے اسے سیر اعلام النبلاء (۳/۲۲۸) میں یونس بن عبید کے طریق سے تقریباً اسی مفہوم کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ پھر شیخ شعیب الارنؤوط نے اس روایت کے بارے میں فرمایا: [اسے ابن سعد اور ابونعیم نے احمد بن یونس کے طریق سے روایت کیا ہے۔۔۔ اور یہ سند حسن ہے]۔

یہ واقعہ ۶۵ ہجری یا اس کے آس پاس کا ہے، یعنی مختار بن ابی عبید[1] کے دورِ اقتدار کا زمانہ، کیونکہ روایت میں (والخشبیۃ) کا ذکر موجود ہے، اور (خشبیہ) مختار کے پیروکاروں یعنی رافضیوں کے اُس فرقے کا لقب تھا جو اس زمانے میں معروف ہوا۔

اس کی تائید اُس روایت سے بھی ہوتی ہے جو عمیر بن ہانی نے بیان کی: (میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو مکہ میں دیکھا، اس وقت حجاج، ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما ان دونوں کے درمیان نہ تھے (یعنی کسی ایک فریق کے ساتھ شریک نہ ہوئے[2])۔ پس وہ کبھی ان لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوجاتے، اور کبھی دوسرے گروہ کے ساتھ نماز پڑھ لیتے[3])

---

(۱) مختار بن ابی عبید ثقفی سنہ ۶۷ ہجری میں قتل کیا گیا۔

(۲) ابن ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں: (فَكَانَ مَنْزِلُ ابْنِ عُمَرَ بَيْنَهُمَا) یعنی: ابن عمر رضی اللہ عنہما کا گھر (یا قیام گاہ) ان دونوں (یعنی حجاج اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ) کے درمیان واقع تھا۔ (یہ الفاظ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیے ہیں، اور اس سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غیر جانبدارانہ موقف کی مزید وضاحت ہوتی ہے)۔

(۳) المطالب العالیہ (صفحہ ۴۰۹) میں یہ روایت مذکور ہے، اور ابن حجر نے اس کے بارے میں فرمایا: إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ یعنی: اس کی سند صحیح ہے۔ اور اس کا مفصل تخریج ان شاء اللہ آگے نمبر [۶۲۰] پر آئے گا۔

یہ واقعہ ۷۳ ہجری کا ہے، اس وقت عبدالملک بن مروان کی خلافت تھی اور حجاج بن یوسف ثقفی اس کا عامل (گورنر) تھا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس دور میں (یعنی خلافتِ یزید بن معاویہ اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کی جنگ کے دوران) پوچھا گیا: (آپ کو کس چیز نے جنگ میں نکلنے سے روکا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: مجھے اس بات نے روکا ہے کہ اللہ نے

میرے بھائی کا خون حرام قرار دیا ہے۔ پوچھنے والوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں ہے: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: (ہم تو لڑ چکے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہا اور دین صرف اللہ ہی کے لیے ہو گیا، اور اب تم چاہتے ہو کہ پھر لڑائی ہو یہاں تک کہ فتنہ برپا ہو، اور دین اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے ہو جائے![1]) یہ واقعہ یزید بن معاویہ کے زمانہ خلافت کا ہے، جب اس نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: (کیا تم جانتے ہو کہ فتنہ کیا ہے؟ تیری ماں تجھے روئے! فتنہ تو یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین سے قتال کرتے تھے، اور ان کے دین میں داخل ہونے کو فتنہ سمجھتے تھے، یعنی ان کا شرک اختیار کرنا سب سے بڑی آزمائش تھی۔ اور تم جو لڑ رہے ہو، یہ قتال ویسا نہیں ہے، بلکہ تمہاری یہ جنگ تو محض اقتدار اور حکومت کے لیے ہے)۔ یہ قول صحیح قول کے مطابق یزید بن معاویہ کی خلافت کے دور میں بیان کیا گیا[2]۔

(۱) دیکھیں حوالہ نمبر [۱۷۳]۔
(۲) دیکھیں: [۱۷۵]۔

● عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیعت سے متعلق موقف:

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی، اور امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ ان کو ایک با اعتماد، دیانت دار اور صاحبِ صلاحیت شخصیت سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے انہیں شام کا گورنر مقرر کیا، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس تقرری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا(۱)۔

(۱) دیکھیں: [۱۷۹][۱۸۰]۔

● حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگوں کے بارے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا موقف:

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ -فتنہ سے کنارہ کشی کے باوجود- اس بات پر پختہ یقین رکھتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ان واقعات میں برحق تھے، اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف، یعنی قتال کا اختیار کرنا، ان کے اپنے اعتزال کے موقف سے بہتر تھا، جیسا کہ اگلی روایت میں آئے گا۔ لیکن ان کے اعتزال کا سبب صرف تقویٰ تھا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی احادیث سن چکے تھے جن میں فتنوں میں داخل ہونے اور مسلمانوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔

● باغی جماعت سے قتال ترک کرنے پر ان کے ندامت کے بارے میں قول کی تحقیق:

[۱۵۷] ابن سعد نے روایت کیا: ہمیں عبداللہ بن جعفر الرقّی نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالملیح نے میمون سے روایت کی، انہوں نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے اپنا ہاتھ روکے رکھا(۱)، اور مجھے اس پر کوئی ندامت نہیں ہوئی، اور جو حق پر لڑنے والا ہے وہ افضل ہے''(۲)۔

(۱) یعنی: لڑائی سے (اپنا ہاتھ روکے رکھا تھا)۔

(۲) یہ روایت الطبقات الکبریٰ (۴/ ۱۶۴) میں موجود ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور شیخین (بخاری ومسلم) کے راویوں میں سے ہیں، سوائے ابوالملیح کے، جن کا پورا نام حسن (اور بعض کے نزدیک ابن عمرو الرقّی) ہے۔ امام بخاری نے

ان سے الادب المفرد میں روایت لی ہے، اور وہ ثقہ ہیں۔ میمون: ان کا مکمل نام میمون بن مہران الجزری الرقّی ہے۔

التخریج:

یہ خبر سیر اعلام النبلاء (۳/ ۲۱۳) میں ابوالملیح کے طریق سے انہی الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ اسے حاکم نے بھی (۶۳۶۰)(۶/۴۶۱، رقم ۶۵۱۰)[طبع دارالتاصیل] میں روایت کیا ہے اور اس پر خاموشی اختیار کی ہے۔ انہوں نے کہا: [ہم سے ابوبکر بن ابی دارم الحافظ کوفہ میں نے روایت کیا، انہوں نے کہا: ہم سے احمد بن موسیٰ بن اسحاق التمیمی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے مالک بن اسماعیل نہدی نے روایت کیا، انہوں نے کہا: ہم سے عبداللہ بن جعفر المخرمی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: مجھ سے ابوالملیح نے، انہوں نے میمون بن مہران سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے عبداللہ بن عمر کو کہتے سنا: ''میں نے اپنا ہاتھ روک لیا، اور آگے نہ بڑھا، اور حق پر لڑنے والا بہتر ہے۔''

حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حدیث کی شرح اور وضاحت ان الفاظ میں ہے جو ہم سے ابو۔۔۔ نے روایت کی، انہوں نے کہا: میں نے عبداللہ بن عمر کو کہتے سنا: ''مجھے کسی چیز کا افسوس نہیں، سوائے اس کے کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ باغی گروہ کے خلاف قتال نہیں کیا۔''] دوسری روایت کی سند مطبوعہ نسخے اور مخطوطات سے ساقط ہے، مگر ابن العدیم نے اسے حاکم کے طریق سے روایت کیا ہے اور سند کا ذکر بھی کیا ہے، جو آگے روایت نمبر [۱۵۹] کے حاشیے میں آئے گی۔

رہی پہلی روایت، تو اس کی سند بہت ضعیف ہے؛ اس میں ابوبکر بن ابی دارم ہے، اور وہ احمد بن محمد السری بن یحییٰ بن السری التمیمی کوفی ہے۔ حاکم نے اس کے بارے میں کہا: رافضی غیر ثقہ۔ ذہبی نے کہا: رافضی، جھوٹا (میزان الاعتدال ۱/ ۱۳۹)۔

اس میں المخرمی بھی ہے، جسے بعض محدثین نے ثقہ کہا ہے۔ مسلم نے اس سے متابعتاً روایت کی ہے، ابن معین نے اس کے بارے میں توقف کیا ہے، ذہبی نے الکاشف میں کہا: صدوق۔ پھر المیزان (۲/ ۴۰۳) میں کہا: [وہی ہے جیسا کہ ابوحاتم اور نسائی نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں]۔ ابن حجر نے بھی کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ مگر ابن حبان نے کہا: [وہ بہت زیادہ وہم کرتا تھا، یہاں تک کہ ثقہ راویوں سے ایسی باتیں روایت کرتا جو ثقہ محدثین کی حدیث سے مشابہ نہیں ہوتیں۔ جو کوئی حدیث کی فنی معرفت رکھتا ہو وہ جان لیتا ہے کہ یہ حدیثیں الٹی پلٹی ہیں، اس لیے اسے ترک کر دینا چاہیے] (المجروحین ۲/ ۲۷)۔ ذہبی نے ابن حبان کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: [ابن حبان نے اس کی تضعیف میں مبالغہ سے کام لیا ہے] (تاریخ الاسلام ۱۰/ ۲۹۱)۔

یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو فتنے سے علیحدگی پر کوئی ندامت نہ تھی، لیکن اس کے ساتھ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کو اپنے موقف سے بہتر اور افضل سمجھتے تھے۔

[۱۵۸] ابن عبدالبر نے اسے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا: (اور عمر بن شبہ نے ذکر کیا، انہوں نے کہا: ہم سے عمرو بن قسیط نے روایت کی، انہوں نے کہا: ہم سے ابو الملیح رقّی نے، انہوں نے میمون بن مہران سے، انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور ان سے ان مواقع (فتنہ و جنگ) کے

بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: ”میں نے اپنے ہاتھ کو روکے رکھا اور آگے نہیں بڑھا، اور جو حق پر قتال کرتا ہے وہ افضل ہے[1]۔“

(۱) اسی طرح الاستیعاب (۳/۹۵۱) میں اس کا اسناد معلّق ہے، اور معلّق روایت ضعیف کی اقسام میں سے ہے، اگرچہ اس کے رجال ثقہ ہیں، سوائے عمرو بن قسط (یا ابن قُسیط) کے، جو کہ ابو علی السّلمي الرقي ہے، اور صدوق ہے۔ تفصیل کے لیے اس سے پہلے کی روایات بھی ملاحظہ کی جائیں۔

اسی طرح کا لفظ ابن شبہ کی روایت میں آیا ہے: [فَلَمْ أُقْدِمْ] (پس میں نے اقدام نہ کیا)، اور اسی مفہوم کے ساتھ امام حاکم نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے۔

روایت کے الفاظ میں اختلاف کے وقت ترجیح:

یقینی طور پر راجح لفظ [فَلَمْ أَنْدَمْ] ہے، دو وجوہات کی بنا پر:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ ابن سعد کی سند، ابن شبہ اور حاکم کی سندوں سے زیادہ صحیح ہے، کیونکہ ابن شبہ کی سند معلق (یعنی مکمل نہیں) ہے، اور حاکم کی سند بہت ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ایک ایسا راوی ہے جس پر جھوٹ بولنے کا الزام ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ امام ذہبی نے اس روایت کو سیر اعلام النبلاء میں [فَلَمْ أَنْدَمْ] کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

نزعِ روح کے وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ندامت کا اظہار کہ انہوں نے فئہ باغیہ سے قتال نہیں کیا:

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت منقول ہے کہ آپ نے اپنی وفات کے وقت اس بات پر ندامت ظاہر کی کہ آپ نے فئہ باغیہ سے قتال نہیں کیا۔ اس باب میں وارد ہونے والی روایات دو قسموں پر منقسم ہیں:

- ان میں سے ایک قسم وہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد معاویہ

رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام ہیں، جب کہ یہ واقعہ صفین کی جنگ کے وقت پیش آیا، لیکن ان میں سے کوئی روایت بھی صحیح نہیں، خاص طور پر اس لیے کہ یہ اُن صحیح روایات کے خلاف ہیں جو ثابت ہیں۔

● اور دوسری قسم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد حجاج اور اس کا گروہ تھا، جب اس نے اپنی فوج کے ساتھ مکہ مکرمہ کی حرمت کو پامال کیا، مکہ پر چڑھائی کی، کعبہ کو منجنیق سے نشانہ بنایا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو سنہ ۷۳ ہجری میں قتل کیا۔ یہ روایات صحیح ہیں، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حجاج کے ان قبیح افعال اور اس کے خون بہانے کے طرزِ عمل پر شدید انکار کیا تھا، جیسا کہ آگے آئے گا(۱)۔

(۱) یہ تفصیل آگے روایات نمبر [۱۶۳] سے [۱۶۷] کے تحت آئے گی۔

✓ پس صحیح بات یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا نزع کے وقت ''فئۃ باغیۃ'' سے قتال نہ کرنے پر جو ندامت تھی، اس سے مراد حجاج بن یوسف اور اس کے ساتھی تھے، نہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر۔

اور ایک صحیح روایت ایسی بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک ''فئۃ باغیۃ'' سے مراد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے، لیکن یہ قول ان سے وقتِ نزع صادر نہیں ہوا، اور اس کا ذکر آگے آئے گا(۱)۔

(۱) : یہ تفصیل آگے نمبر [۱۷۱] کے تحت آئے گی۔

اور اب ہم اُن روایات کی تفصیل کا آغاز کرتے ہیں جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے وقتِ وفات (یعنی نزع کی حالت) کے بارے میں منقول ہیں۔

* پہلی قسم کی روایات: وہ روایات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نزع کے وقت "فئہ باغیہ" سے مراد معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر لیا تھا جو صفین کے موقع پر شامل جنگ تھا۔

[۱۵۹] ابن سعد نے روایت کیا ہے: ہمیں فضل بن دکین نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن سیاہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حبیب بن ابی ثابت نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے اُس مرض کے دوران معلوم ہوا جس میں ان کا انتقال ہوا، کہ وہ فرما رہے تھے: "دنیا کے کسی معاملے پر مجھے افسوس نہیں، سوائے اس کے کہ میں نے فئہ باغیہ سے قتال نہیں کیا(۱)۔"

---

(۱) الطبقات الکبریٰ (۴ / ۱۸۶) مزید تفصیل تعلیق فواز میں ملاحظہ فرمائیں

تعلیق فواز:

الطبقات الکبریٰ (۴/۱۸۶) میں یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ منقطع ہے، حالانکہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ حبیب بن ابی ثابت مدلس ہیں، اور یہاں انہوں نے سماع (براہِ راست سننے) کی تصریح نہیں کی، بلکہ "بلغني" یعنی (مجھے یہ خبر پہنچی) کہا ہے، جو انقطاع (روایت میں درمیانی راوی کے نہ ہونے) کی واضح علامت ہے۔ دارقطنی نے اس کا منقطع ہونا درست قرار دیا اور امام ذہبی نے بھی اس علت کو ذکر کرتے ہوئے کہا: (یہ روایت منقطع ہے) (سیر اعلام النبلاء ۳/۲۳۱)۔

علل الدارقطنی (۱۲/۴۲۹) میں آیا ہے:

[دارقطنی سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا جو حبیب بن ابی ثابت سے روایت کی جاتی ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے کہا: "مجھے کسی چیز پر افسوس نہیں، سوا اس کے کہ میں نے فئہ باغیہ سے قتال نہیں کیا"۔ یہ سب کچھ انقطاع کی وجہ سے ضعیف شمار ہوتا ہے۔

تو دارقطنی نے کہا: اس حدیث کو فِطر بن خَلِیفہ اور محمد بن قیس روایت کرتے ہیں، حبیب بن ابی ثابت کے واسطے سے، جو اسے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

اور اسے ابونعیم نے عبدالعزیز بن سِیَاہ کے واسطے سے حَبِیب سے روایت کیا، اور حبیب نے کہا: مجھے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق، ان کی اس بیماری میں جس میں ان کا انتقال ہوا، یہ بات پہنچی کہ انہوں نے یہ کہا تھا اور یہی (یعنی: بَلَغَنِي) درست روایت ہے۔ (یعنی روایت مرسل اور منقطع ہے، اور حبیب بن ابی ثابت کی طرف سے سماع کی تصریح نہیں، بلکہ بلغنی کا لفظ

ہے، جو انقطاع کی دلیل ہے، لہٰذا روایت ضعیف ہے)۔

میں کہتا ہوں: یہ ایک خبر ہے جسے حبیب بن ابی ثابت نے روایت کیا ہے، اور اس میں ان سے اختلاف واقع ہوا ہے۔

- اسے سفیان ثوری نے روایت کیا ہے، حبیب بن ابی ثابت سے، اور وہ سعید بن جبیر سے، اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے، اسی مفہوم کے ساتھ، لیکن اختصار کے ساتھ بیان کیا، چنانچہ اس میں [مع علی] کا ذکر نہیں کیا۔

- اسے عبد العزیز بن سیاہ، الصلت بن بہرام، عبداللہ بن حبیب بن ابی ثابت اور فطر بن خلیفہ (اور یہ سب کے سب ثقہ راوی ہیں)؛ ان چاروں نے حبیب بن ابی ثابت سے، اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی مفہوم کے ساتھ روایت کیا ہے اور سب نے [مع علی] کا اضافہ کیا ہے، سوائے ابن سعد، یعقوب بن سفیان، دارقطنی اور ابن اثیر کی روایات کے، جن میں یہ الفاظ موجود نہیں۔

اور اسے سنان بن ہارون البُرجُمی نے عبداللہ بن حبیب بن ابی ثابت سے روایت کیا ہے، وہ اپنے والد سے، انہوں نے کہا: میں نے ابن عمر کو سنا۔۔ تو اس جیسی روایت بیان کی۔ اسی طرح سماع کی تصریح آئی ہے، لیکن یہ روایت منکر ہے۔ اور سنان کو نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے، اور ابن حبان نے کہا: [وہ سخت درجے کا منکر حدیث راوی ہے، وہ مشہور راویوں سے منکر روایات بیان کرتا ہے]

الترجیح:

سند سے ''سعید بن جبیر'' کو ساقط کرنا ہی درست ہے۔

جہاں تک سفیان ثوری کا تعلق ہے: تو انہوں نے ثقہ راویوں کی مخالفت کی ہے، اور وہم انہی کی طرف سے یا ان کے نیچے (یعنی ان کے شاگردوں میں سے کسی کی طرف) سے واقع ہوا ہے۔

اور جہاں تک سعید بن جبیر کا تعلق ہے، تو ان کی وہ صحیح سند سے روایت آگے آئے گی، جسے عوام بن حوشب نے عیاش عامری کے واسطے سے ان سے نقل کیا ہے، اس میں یہ ذکر ہے کہ ''فئہ باغیہ'' حجاج ہے۔ یہ روایت اعداد [۱۶۰] اور [۱۶۱] کے تحت ذکر کی جائے گی۔ چنانچہ دونوں روایتوں کے درمیان خلط واقع ہوا ہے۔

اس کی ایک اور سند بھی وارد ہوئی ہے: اسے سنان بن ہارون البُرجُمی نے محمد بن اسحاق کے واسطے سے، نافع عن ابن عمر روایت کیا ہے۔ یہ سند منکر ہے، کیونکہ اس میں سنان بن ہارون منفرد ہے، اور وہ ضعیف راوی ہے۔

اور اس کی ایک تیسری سند بھی ہے: اسے ابو العَنبَس نے ابو بکر بن ابی الجہم سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے ابن عمر کو سنا۔۔ تو انہوں نے وہی روایت بیان کی، اور آخر میں یہ اضافہ کیا: [علی کے ساتھ]۔ ابو العنبس: اس کا نام اسی طرح مجہول انداز میں آیا ہے، اور یہ کئی ایسے رواۃ کے ساتھ خلط کا باعث ہے جو اسی کنیت سے معروف ہیں، ان میں بعض ثقہ ہیں اور بعض ضعیف، اور یہ تمام کے تمام کوفی ہیں۔ تو لیجیے، تقریب التہذیب سے ان کے نام ملاحظہ ہوں:

- سعید بن کثیر بن عبید القرشی التیمی، ابو العنبس الملائی، کوفی، طبقۂ ساتواں، ثقہ۔ (۲۳۸۱)۔
- عبداللہ بن صُھبان الاسدی، ابو العَنبَس، کوفی، حدیث میں نرم (کمزور) ہے، طبقہ ساتواں۔ (۳۳۹۵)
- ابو العَنبَس العدوی، کوفی، ان کا نام حارث بن عبید بن کعب ہے، چھٹے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، مقبول راوی ہیں۔ (۸۲۸۳)
- ابو العَنبَس الکوفی الاکبر: کہا گیا ہے کہ ان کا نام عبداللہ بن مروان ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام معلوم نہیں۔ چھٹے

طبقے سے تعلق رکھتے ہیں،مقبول راوی ہیں۔(۸۲۸۴)
- ابوالعنبس الکوفی الاوسط،النخعی: ان کا نام عمرو بن مروان ہے، چھٹے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، صدوق راوی ہیں۔ (۸۲۸۵)

● **اوراس کی ایک چوتھی سند بھی ہے، جسے دارقطنی نے المؤتلف میں روایت کیا ہے، جوآگےآئے گی۔**

التخریج:

اسے امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۳/۲۳۱) میں ذکر کیا ہے،لیکن اس میں علی رضی اللہ عنہ کا ذکرنہیں کیا، اس کی سند یوں ہے: [سفیان ثوری، حبیب بن ابی ثابت سے، وہ سعید بن جبیر سے، وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ''مجھے کسی چیز پر افسوس نہیں، سوائے اس کے کہ میں باغی گروہ سے قتال نہ کرسکا'']

اوراسے یعقوب بن سفیان نے المعرفہ والتاریخ (۳/۸۴) میں ابونعیم اورعبیداللہ بن موسیٰ کے واسطے سے روایت کیا ہے۔اورابن عبدالبر نے اسے الاستیعاب (۳/۹۵۳) میں اپنی سند سے، اسباط بن محمد کے دوطریقوں سے روایت کیا ہے۔ یہ تینوں عبدالعزیز بن سیاء سے، وہ حبیب بن ابی ثابت سے، اوروہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں، اسی مضمون کے ساتھ۔ اوریہ خبر سیر اعلام النبلاء (۳/۲۳۱) میں بھی عبدالعزیز بن سیاہ کے طریق سے موجود ہے۔امام ذہبی نے کہا: یہ روایت منقطع ہے۔

اوراسے ابن عبدالبر نے الاستیعاب (۳/۹۵۳) میں بھی ذکر کیا ہے:

[اورابوزید عمر بن شبہ نے ذکر کیا کہ انہوں نے کہا: **ہمیں ابونعیم الفضل بن دُکین اورابواحمد الزبیری نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن حبیب بن ابی ثابت نے اپنے والد سے، اورانہوں نے ابن عمر سے روایت کیا کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا۔۔۔**] توانہوں نے اسی مفہوم کی روایت بیان کی۔

اوراسے ابن الاثیر نے اپنی سند کے ساتھ اسد الغابۃ (۳/۳۴۹) اور (۴/۱۲۵) میں روایت کیا ہے، اورامام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۳/۲۳۱) اور (۴/۱۲۵) میں ابونعیم کے طریق سے یہی روایت ذکر کی ہے۔

اوراسے طبرانی نے المعجم الکبیر (۱۳/۱۴۶، حدیث نمبر: ۱۳۳۸۲۵، طبع: سعد الحمید والجریسی) میں روایت کیا ہے: ہم سے محمود بن محمد واسطی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے زکریا بن یحییٰ زحمویہ نے بیان کیا،

انہوں نے کہا: ہم سے سنان بن ہارون نے روایت کیا، عبداللہ بن حبیب بن ابی ثابت سے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں نے ابن عمر کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مجھے کسی فوت شدہ چیز پر افسوس نہیں، سوائے روزہ، نماز اور باغی گروہ سے قتال سے محرومی پر، اوراس بات پر کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ سے بیعت واپس لینے کی درخواست کی۔ یہ روایت سماع کی تصریح کے ساتھ منکر ہے، اورسنان ضعیف ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اوراسے ابن کثیر نے جامع المسانید (۲۸/۷۵، حدیث نمبر: ۱۰۶، مسند عبداللہ بن عمر، طبع: دارالفکر، تحقیق: عبدالمعطی قلعجی) میں نقل کیا ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (حدیث نمبر: ۵۰۸۹) میں کہا: اسے طبرانی نے المعجم الکبیر اورالمعجم الاوسط میں روایت کیا ہے، البتہ اس میں یہ الفاظ ہیں۔۔۔ (پھر انہوں نے اگلی روایت کا متن ذکرکیا) اور پھر فرمایا: اس میں سنان بن ہارون ہے، جسے ابوحاتم اورابن عدی نے ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ ابن معین نے اسے ضعیف کہا ہے۔

اوراسے طبرانی نے المعجم الاوسط (حدیث نمبر: ۷۸۲۳) میں روایت کیا ہے: ہم سے محمود بن محمد واسطی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے زکریا بن یحییٰ زحمویہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں سنان بن ہارون نے محمد بن اسحاق سے روایت

کیا، انہوں نے نافع سے، اور انہوں نے ابن عمر سے نقل کیا کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت فرمایا: [دنیا کی کسی چیز کے فوت ہونے پر مجھے افسوس نہیں، سوائے تین باتوں کے: گرمیوں میں روزہ رکھنا، اور یہ کہ میں نے نماز میں اپنے دونوں قدموں کے درمیان فاصلہ نہیں رکھا یعنی طویل قیام، اور علی سے بیعت سے اپنی براءت طلب کرنا] یہ حدیث نافع سے صرف محمد بن اسحاق نے روایت کی ہے، اور محمد سے اسے صرف سنان بن ہارون نے روایت کیا، اور سنان سے صرف زکریا بن یحییٰ زحمویہ نے، یعنی یہ روایت صرف اسی سند سے آئی ہے (تفرد حاصل ہے)۔ یہ سند منکر ہے، اور مشہور و معروف سند وہی ہے جو حبیب بن ابی ثابت عن ابن عمر کے طریق سے مروی ہے۔ حدیث کے اس جملے [فَرَّجْتُ بَيْنَ قَدَمَيَّ فِي الصَّلَاةِ] کا مطلب ہے: طویل نماز پڑھنا ایسا ہی قول امام ہیثمی نے بیان کیا ہے۔

اور اسے طبرانی نے المعجم الکبیر (۱۳/۱۴۵، حدیث نمبر: ۱۳۸۲۴، طبع: سعد الحمید والجریسی) میں تین طرق سے روایت کیا ہے، شریک، فطر بن خلیفہ کے واسطے سے، وہ حبیب بن ابی ثابت سے، اور وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: ''مجھے کسی چیز پر افسوس نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ میں نے علی کے ساتھ مل کر باغی گروہ سے قتال نہ کیا''۔ امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (حدیث نمبر: ۱۲۰۵۴) میں کہا: اسے طبرانی نے متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے، اور ان میں سے ایک سند ایسی ہے جس کے تمام راوی صحیحین (یعنی بخاری ومسلم) کے رجال ہیں۔ اور امام رودانی نے اسے جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد (حدیث نمبر: ۹۸۳۴) میں نقل کیا ہے۔

اور اسے ابن عبد البر نے الاستیعاب (۳/۹۵۳) میں ذکر کیا ہے: (ابو زید عمر بن شبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: [ہم سے ابو احمد (محمد بن عبد اللہ الزبیری) نے روایت کیا، انہوں نے کہا: ہم سے عبد الجبار بن عباس نے ابو العنبس کے واسطے سے، اور انہوں نے ابو بکر بن ابی جہم سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے ابن عمر کو سنا۔۔۔] پھر انہوں نے روایت کو بیان کیا، اور آخر میں اضافہ کیا: [مع علی] یعنی: علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ (قتال نہ کر سکا]) یہی خبر اسی سند کے ساتھ سیر اعلام النبلاء (۳/۲۳۲) میں بھی آئی ہے۔ ابو العنبس: ان کا نام روایت میں مجمل انداز میں آیا ہے،

اور یہ کنیت کئی راویوں کے ساتھ مشترک ہے، لہٰذا مشتبہ ہے اور ان کے متعلق گفتگو کچھ دیر پہلے گزر چکی ہے۔ اس سند کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں، سوائے عبد الجبار بن عباس الشبامی الہمدانی الکوفی کے، جو صدوق راوی ہے، لیکن شیعی رجحان رکھتا تھا۔

اور اسے دارقطنی نے المؤتلف والمختلف (۳/۱۵۲۹) میں روایت کیا ہے: ہم سے محمد بن قاسم بن زکریا نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے عباد بن یعقوب نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے عفّان بن سیّار نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے ابو حنیفہ نے، انہوں نے عطا سے، انہوں نے کہا: ابن عمر نے فرمایا: ''مجھے کسی چیز کا افسوس نہیں، سوائے اس کے کہ میں باغی گروہ سے قتال نہ کر سکا، اور (گرمیوں میں) دوپہر کے وقت روزے رکھنے پر بھی افسوس ہے۔''

- **دارقطنی کی اس روایت کا حکم:**

اس کی سند نہایت ضعیف ہے۔

- محمد بن قاسم بن زکریا: ان کا مکمل نام ابو عبد اللہ المحاربی الکوفی السودانی ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا: [یہ راوی ضُعف کے ساتھ مشہور ہے، اور کہا جاتا ہے کہ وہ رجعت (رِجعتِ روافض) کی طرف منسوب تھا] جھوٹا (کذاب) تھا۔ المغنی فی الضعفاء (حدیث: ۵۹۰۹) اس کے علاوہ ان کا ذکر ان کتب میں بھی آیا ہے: شذرات الذہب (۴/۱۳۸)۔ تراجم رجال الدارقطنی فی سننہ (ص: ۱۰۸۸)۔ الدلیل المغنی لشیوخ الدارقطنی (ص: ۴۹۲)

- اسی سند میں عباد بن یعقوب ابوسعید الرواجنی الکوفی بھی موجود ہے، جو امام ابن حجر کے بقول ''صدوق رافضی'' تھا (التقریب: ۳۱۵۳)۔

- عفّان بن سیّار، کنیت: ابوسعید، نسبت: الباہلی الجرجانی۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں فرمایا: یہ راوی حجت نہیں، اس نے ایک مرسل حدیث کو متصل بنا کر روایت کر دیا۔ (دیوان الضعفاء: ۲۸۵۰)۔ اور ابن حجر نے فرمایا: یہ صدوق ہے، لیکن وہم (یعنی روایت میں خطا) کرتا ہے۔ (التقریب: ۴۶۲۴)

- ابوحنیفہ: وہ فقیہ امام نعمان بن ثابت ہیں، جنہیں امام نسائی نے حفظ کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا ہے، اور امام ابن عدی ودیگر محدثین نے بھی تضعیف کی ہے۔ (میزان الاعتدال: ۴/۲۶۵)

اور اس واقعے کے بارے میں ابن عبدالبر نے الاستیعاب (۱/۷۷) میں کہا: [عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعدد طرق سے یہ بات صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا: مجھے کسی چیز پر اتنا افسوس نہیں جتنا اس بات پر ہے کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر باغی گروہ سے قتال نہیں کیا]۔ پس ابن عبدالبر نے اس روایت کو صحیح قرار دیا۔

پھر ابن عبدالبر نے کہا: [یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے، جن میں ایک روایت حبیب بن ابی ثابت سے ہے، وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: مجھے کسی چیز پر افسوس نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر باغی گروہ سے قتال نہ کر سکا۔ اور شعبی نے کہا: مسروق اس وقت تک وفات نہیں پائے جب تک کہ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قتال میں پیچھے رہ جانے پر اللہ سے توبہ نہ کر لی۔ ان خبروں کے کئی صحیح طرق ہیں، جنہیں ہم نے اپنی کتاب میں متعلقہ مقام پر ذکر کر دیا ہے]۔ (الاستیعاب، ۳/۱۱۱۷)

ابن عبدالبر کے اس قصے کو صحیح قرار دینے کے جواب میں: ہم نے وہ تمام طرق ذکر کر دیے ہیں جنہیں ابن عبدالبر نے (یا جیسا کہ انہوں نے خود انہیں وجوہ کہا) بیان کیا ہے، اور ان میں سے کوئی بھی سند صحیح نہیں ملی۔ مثال کے طور پر: عمر بن شبہ کی روایت میں ابوالعَنبَس ہے، جو کہ مجہول اور دوسرے راویوں کے ساتھ خلط ہونے والا ہے۔ اور حبیب بن ابی ثابت کی روایت منقطع ہے، اور اسے متصل بیان کرنا ایک غلطی ہے۔ اور غالب گمان یہی ہے کہ ابن عبدالبر نے اس روایت کو اس بنیاد پر صحیح قرار دیا کہ حبیب بن ابی ثابت نے اسے ابن عمر سے براہِ راست سنا ہے۔ حالانکہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ اس نے خود سماع کی نفی کرتے ہوئے کہا ہے: مجھے ابن عمر کے بارے میں یہ خبر پہنچی ہے۔۔۔)۔ تعلیق فواز انتہی!

بعض طرق میں اس روایت کے آخر میں یہ اضافہ بھی آیا ہے: (مع علیٍ) (علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ) جیسا کہ تخریج میں گزر چکا ہے، لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

* روایات کی دوسری قسم جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حالتِ نزع کے وقت منقول ہیں، اس میں یہ بات آئی ہے کہ انہوں نے فئۃ باغیۃ (باغی گروہ) سے مراد حجّاج بن یوسف اور اس کا گروہ لیا تھا، جب کہ وہ مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر رہا تھا اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کر رہا تھا۔

[۱۶۰] یہ روایت محمد بن سعد نے بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں یزید بن ہارون نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے عوام بن حوشب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے عیّاش عامری نے بیان کیا، وہ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ میں (نیزے سے) وہ زخم لگا(۱) جس کے نتیجے میں وہ زخمی ہو گئے اور زمین پر گر پڑے، تو انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں شدتِ درد مناسک کی ادائیگی سے نہ روک دے۔ اس پر انہوں نے فرمایا: ''اے اُمِّ دہماء کے بیٹے!(۲) میرے ساتھ مناسک ادا کرا دو۔'' جب ان کا درد شدت(۳) اختیار کر گیا تو یہ خبر حجاج تک پہنچی، چنانچہ وہ ان کی عیادت کے لیے آیا۔ اس نے کہنا شروع کیا: ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تمہیں کس نے یہ نقصان پہنچایا ہے تو میں ایسا کرتا اور ویسا کرتا۔''(۴)

---

(۱) الخَبْل (بے کے سکون کے ساتھ) کا مطلب ہے: اعضائے بدن کا فاسد ہو جانا۔ (النھایۃ فی غریب الحدیث: ۲/۸)۔ یہ اس لیے ذکر کیا گیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاؤں پر نیزہ مارا گیا تھا، جس سے وہ زخمی ہو گئے اور اسی زخم کے نتیجے میں بیمار ہو کر وفات پا گئے۔ یہ واقعہ آگے بخاری کے حوالے سے حدیث نمبر [۱۶۲] میں بھی آئے گا۔

(۲) یہ سعید بن جبیر ہیں۔

(۳) یعنی حالتِ نزع یا موت کے قریب بیماری کے وقت۔

(۴) یعنی: میں اس کے ساتھ یہ کرتا اور وہ کرتا، یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس شخص کو سزا دیتا جس نے ان کے پاؤں پر نیزہ مارا تھا۔

جب اس نے بار بار ایسی باتیں کہیں، تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ''تم ہی ہو جس نے مجھے زخمی کیا(۱)؛ تم نے اس دن اسلحہ اٹھایا جس دن اسلحہ اٹھانا جائز نہ تھا!(۲)'' پھر جب حجاج وہاں سے چلا گیا، تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''مجھے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے کسی چیز پر افسوس نہیں، سوائے تین باتوں کے: دوپہر کی سخت گرمیوں میں روزہ رکھنے پر، رات کی مشقت بھری عبادت پر، اور اس بات پر کہ میں نے ان باغیوں سے قتال نہ کیا جنہوں نے ہم پر حملہ کیا(۳)۔''(۴)

(۱) یعنی: تو ہی میری تکلیف کا سبب بنا، گویا کہ تُو نے ہی مجھے زخمی کیا۔
(۲) یعنی: وہ عید کا دن (یوم النحر) تھا، اور اسے یوم الحج الاکبر بھی کہا جاتا ہے۔
(۳) یعنی: وہ فئہ باغیہ سے مراد حجاج بن یوسف کا وہ گروہ لے رہے تھے، جو مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوا، اس کا محاصرہ کیا، کعبہ پر منجنیق سے حملہ کیا، اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اس گھناؤنے عمل اور ناحق خون بہانے اور مقدس مقام کی بے حرمتی پر سخت ناراض اور انکاری تھے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔
حجاج نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے بعد سنہ ۷۳ ہجری میں مکہ کی ولایت سنبھالی، اور پھر سنہ ۷۴ ہجری میں عبدالملک بن مروان نے مدینہ کی گورنری بھی اس کے سپرد کردی، چنانچہ وہ ان دونوں شہروں کا والی رہا یہاں تک کہ سنہ ۷۵ ہجری میں عراق کی گورنری بھی اسے دے دی گئی۔ (دیکھیے: تاریخ طبری ۳/۵۳۸، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۷)
ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی وفات مکہ مکرمہ میں سنہ ۷۳ ہجری میں ہوئی، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اور یہ وفات ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے تقریباً تین ماہ بعد (یا اس کے آس پاس) ہوئی۔ اور بعض نے کہا: چھ ماہ بعد۔ یہ قول بھی مذکور ہے، تاہم اس میں اختلاف بھی آیا ہے، چنانچہ بعض اہلِ علم نے کہا کہ ان کی وفات سنہ ۷۴ ہجری میں ہوئی۔ (دیکھیے: الاستیعاب ۳/۹۵۲، تاریخ دمشق ۳۱/۱۹۷ وما بعد)
امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: ظاہر یہی ہے کہ ان کی وفات سنہ ۷۳ ہجری کے آخر میں ہوئی۔ (دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۳/۲۳۲)۔
(۴) الطبقات الکبریٰ (۴/۱۸۵) میں یہ روایت صحیح سند کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور شیخین (بخاری ومسلم) کے راویوں میں شامل ہیں، سوائے عیّاش عامری کے، جو صرف امام مسلم کے رجال میں سے ہے۔ اور شیخ شعیب الارناؤوط نے بھی سیر اعلام النبلاء (۳/۲۳۲) کی تحقیق میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔
التخـریج:
اسے امام بخاری نے محمد بن سوقہ کے طریق سے، سعید بن جبیر سے، اسی کے ہم معنی مگر مختصر طور پر روایت کیا ہے، مگر اس میں ابن عمر کا یہ قول [ما آسَى من الدنيا...] موجود نہیں ہے۔ اور یہ روایت آگے نمبر [۱۶۲] پر آئے گی۔

[۱۶۱] اسے ابو بکر ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے: ہمیں محمد بن عبید اللہ نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں عوام بن حوشب نے حدیث سنائی، انہوں نے عیاش عامری سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کی، انہوں نے کہا: جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے فرمایا: میں دنیا کی کسی چیز پر حسرت نہیں کرتا، سوائے تین چیزوں کے(۱): دوپہر کی گرمی میں پیاس برداشت کرنا (روزے رکھنا)، رات کے وقت کی مشقت (یعنی عبادت)، اور یہ کہ میں نے اس باغی گروہ سے قتال نہ

کیا جس نے ہم پر حملہ کیا۔ راوی کہتا ہے: اس سے مراد حجاج ہے (۲)۔ (۳)

---

(۱) ابن زبر کی کتاب وصایا العلماء اور سیر اعلام النبلاء میں یہ روایت آئی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: [دنیا کی کسی چیز پر مجھے افسوس نہیں سوائے تین باتوں کے۔۔۔]

(۲) جہاں یہ جملہ آیا ہے: [یعنی الحجاج]، تو یہ تمام مصادرِ تخریج میں اسی طرح موجود ہے، اور یہ امام ذہبی کا قول نہیں ہے، جیسا کہ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر علی الصلابی نے اپنے کتاب خلافت امیر المؤمنین عبداللہ بن الزبیر (صفحہ ۱۳۹) میں گمان کیا ہے۔ انہوں نے یہ بات کتاب الفقہاء و الخلفاء از سلطان بن خالد بن حثلین (صفحہ ۶۵، مطبوعہ دار عمار، اردن، پہلی اشاعت ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء) سے نقل کی ہے۔

(۳) جہاں تک کتاب المحتضرین از ابن ابی الدنیا (صفحہ ۱۵۷) کا تعلق ہے، تو اس کی سند صحیح ہے، اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ محمد بن عبیداللہ: وہ ابن المنادی ہیں، اور راجح یہی ہے کہ وہ ثقہ ہیں۔ ابن حجر نے ان کے متعلق کہا ہے: صدوق، جبکہ تحریر التقریب میں صراحت ہے کہ بلکہ وہ ثقہ ہیں۔ دیکھئے: التقریب (۶۱۱۳)۔

التخریج:

اس روایت کو ابو سلیمان محمد بن زبر الربعی نے اپنی کتاب ''وصایا العلماء عند حضور الموت'' (صفحہ ۶۳) میں اپنے والد کے واسطے سے، ابن المنادی کے طریق سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت تاریخ دمشق (۱۹۶/۳۱) میں ابن ابی الدنیا اور ابن زبر کے طریق سے بھی منقول ہے۔ نیز دیکھیں: مختصر تاریخ دمشق (۱۸۰/۱۳)۔

اسی طرح یہ خبر تاریخ الاسلام (۴۶۵/۵) میں عوام کے طریق سے، اور سیر اعلام النبلاء (۲۳۲/۳) میں روح کے طریق سے بھی منقول ہے۔

اور مختصر قیام اللیل از محمد بن نصر المروزی (صفحہ ۶۲) میں بھی سعید بن جبیر کے طریق سے یہی روایت موجود ہے۔ امام ذہبی نے اپنی تاریخ میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: [میں کہتا ہوں: یہ بعض رواۃ کا گمان ہے، ورنہ ابن عمر رضی اللہ عنہ تو اس سے پہلے ابن الزبیر کو فئہ باغیہ کہہ چکے ہیں، واللہ اعلم]

میں کہتا ہوں: یہ کسی راوی کا گمان نہیں، کیونکہ پچھلی روایت میں صراحت کے ساتھ حجاج کا ذکر آیا ہے، جیسا کہ الفاظ ہیں: (جب حجاج چلا گیا تو ابن عمر نے کہا: مجھے دنیا میں تین چیزوں کے سوا کسی چیز پر افسوس نہیں دوپہر کی پیاس (یعنی روزے)، رات کی مشقت (یعنی عبادت)، اور یہ کہ میں نے اس فئہ باغیہ سے قتال نہ کیا جو ہم پر مسلط ہوئی)۔ دیکھئے: روایت نمبر [۱۶۰]۔

[۱۶۲] امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے: ہم سے زکریا بن یحییٰ ابو سکین نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے محاربی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے محمد بن سوقہ نے بیان کیا، انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے کہا: میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا جب ایک نیزے کا پھل (یعنی سنان) ان کے پاؤں کے تلوے میں لگا*، اور ان کا پاؤں رکاب سے چمٹ گیا (۱)۔ تو میں اُترا اور رکاب سے ان کا

پاؤں نکالا، اور یہ واقعہ منیٰ میں پیش آیا۔ پھر یہ بات حجاج تک پہنچی، تو وہ ان کی عیادت کے لیے آیا، اور کہنے لگا: اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ تمہیں کس نے زخمی کیا ہے۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم ہی نے مجھے زخمی کیا ہے! حجاج نے کہا: کیسے؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے اس دن ہتھیار اٹھایا جس دن ہتھیار نہیں اٹھایا جاتا، اور تم نے حرم میں اسلحہ داخل کیا، جبکہ حرم میں اسلحہ داخل کرنا جائز نہ تھا[۲]۔

* (سِنانُ الرُّمحِ): مراد ہے نیزے کا لوہے کا نوک دار سرا، جو اس کے آگے کی طرف ہوتا ہے اور جس سے چوٹ یا زخم لگایا جاتا ہے۔ (أَخْمَصُ قَدَمِهِ): یعنی پاؤں کا وہ اندرونی گڑھا یا خلا جو عام طور پر چلنے کے دوران زمین کو نہیں لگتا (تلوے کا درمیان والا حصہ)۔

✓ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا حَجّاج بن یوسف پر اس (عمل) کا انکار۔

[۱۶۳] امام حاکم نے روایت کیا: ہمیں شیخ ابوبکر بن اسحاق[۳] نے حدیث سنائی، انہوں نے علی بن عبدالعزیز[۴] سے، انہوں نے ابونعیم سے، انہوں نے فضیل بن مرزوق سے، انہوں نے عطیہ سے روایت کی، وہ کہتے ہیں: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک غلام سے پوچھا: ابن عمر کی وفات کیسے ہوئی؟ اس نے کہا: انہوں نے حَجّاج بن یوسف کے ان افعال پر نکیر کی جن کا تعلق عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل سے تھا، اور وہ اس کے پاس آئے اور اسے (تلخ باتیں) سنا دیں۔ تو حَجّاج نے کہا: چپ ہو جا اے فلاں! تو تو بوڑھا ہو کر بکواس کرنے لگا ہے۔ جب لوگ منتشر ہو گئے تو حَجّاج نے شام کے ایک آدمی کو حکم دیا، جس نے ابن عمر کے پاؤں میں اپنی برچھی سے وار کر دیا۔ پھر حَجّاج ابن عمر کی عیادت کے لیے آیا اور کہنے لگا: اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تجھے کس نے زخمی کیا ہے تو میں اس کی گردن مار دوں۔ ابن عمر نے کہا: ''تو ہی ہے جس نے مجھے زخمی کیا۔'' حَجّاج نے پوچھا: وہ کیسے؟ انہوں نے جواب دیا: ''جس دن تو

نے حرمِ الٰہی میں اسلحہ داخل کیا(۵)۔‘‘

---

(۱) (بِالرِّكَابِ): یعنی زین (گھوڑے کی سیٹ) کے ساتھ لٹکی ہوئی رِکاب سے مراد ہے، جو ایک لوہے کی گول یا بیضوی شکل کی حلقہ دار چیز ہوتی ہے۔ اس کے نچلے حصے میں چوڑی بنیاد (پلیٹ) ہوتی ہے تاکہ سوار اس پر اپنا پاؤں رکھ سکے اور سواری پر چڑھنے یا توازن قائم رکھنے میں مدد لے سکے۔ یہ رکاب عام طور پر زین کے دونوں طرف لٹکی ہوتی ہے۔

(۲) یہ روایت صحیح بخاری میں حدیث نمبر ۹۲۳ کے تحت موجود ہے۔ اسی واقعے کو ابن سعد نے تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے، اور ہم نے اسے پہلے نمبر [۱۶۰] کے تحت ذکر کیا ہے، جہاں اس روایت کے مشکل الفاظ کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔

(۳) احمد بن اسحاق بن ایوب بن یزید النیسابوری، جن کی کنیت ابو بکر الشافعی ہے اور وہ الصبغی کے نام سے معروف تھے۔ ایک جلیل القدر فقیہ اور محدّث تھے۔

خلیلی نے کہا: میں نے الحاکم ابوعبداللہ کو سنا، جب بھی وہ احمد بن اسحاق سے روایت کرتے اور اس روایت کو مختلف محدثین کے اقوال کے ساتھ جمع کرتے، تو کہتے: اور ابو بکر وہ امام ہیں جن کا مقام مقدم ہے۔ وہ حدیث، رجال اور جرح وتعدیل کے علم میں ماہر تھے، اور اپنے وقت میں فقہ کے باب میں ان کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا۔ وہ ایک ثقہ اور مامون (قابلِ اعتماد عالم) تھے۔

بیہقی نے کہا: ہم سے بیان کیا ابوعبداللہ نے، انہوں نے کہا: ہم سے بیان کیا ابو بکر احمد بن اسحاق الفقیہ نے، جو ایک امام، مقدم، اور حجت تھے، اور یہ روایت ان کی اصل کتاب سے ان کے اپنے الفاظ میں عودًا علی بدء (یعنی شروع سے آخر تک متصل) مروی ہے۔

امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں کہا: وہ امام، علامہ، مفتی، محدث، اور شیخ الاسلام تھے۔ انہوں نے یحییٰ بن محمد الذہلی اور ابو حاتم رازی جیسے محدثین کو دیکھا۔ وہ خود جمع وتصنیف کرنے والے تھے، فقہ میں کمال حاصل کیا اور علمِ حدیث میں ممتاز ہوئے۔

مراجع دیکھیں: الإرشاد للخليلي (۸۴۰۳)، بيان خطأ من أخطأ على الشافعي للبيهقي ص (۲۴۰)، تاريخ الإسلام (۲۵/۲۵۶)، سير أعلام النبلاء (۱۵/ ۴۸۳)، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (۱/۲۷۵)، الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم (۴۳)

(۴) علی بن عبدالعزیز بن المرزبان بن سابور، کنیت ابوالحسن، بغوی اور مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر تھے۔

دارقطنی نے سؤالات السلمی اور سؤالات حمزہ میں ان کے بارے میں کہا: وہ ثقہ اور مامون (قابلِ اعتماد) تھے۔ ابن ابی حاتم نے کہا: ہمیں انہوں نے ابوعبید کی کتابیں لکھ کر بھیجیں، اور وہ سچّے (صدوق) شخص تھے۔

امام ذہبی نے ان کے بارے میں کہا: وہ امام، حافظ، اور صدوق (سچے راوی) تھے۔ انہوں نے جمع وتدوین کا کام کیا، اور المسند الکبیر جیسی کتاب تصنیف کی۔ وہ حدیث روایت کرنے میں حسن الحدیث (اچھی روایت والے) تھے۔ نیز ذکر آیا ہے کہ امام نسائی نے ان پر تحدیث کے لیے طلبِ روایت کے معاملے میں کچھ کلام کیا تھا۔

مراجع: سؤالات السّلمي (۲۱۴)، سؤالات حمزه (۳۸۹)، الجرح والتعديل (۶/۱۹۲)، سير أعلام النبلاء (۱۳/ ۳۴۸)، إرشاد القاصي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني (۶۸۵)

(۵) مستدرک (۶۳۵۶) کی روایت حسن لغیرہ (یعنی دوسری شواہد کی بنا پر حسن) ہے۔ ابونعیم سے مراد فضل بن دکین ہیں، اور فضیل بن مرزوق: وہ صدوق (سچے) ہیں لیکن کبھی وہم (غلطی) کر جاتے تھے اور ان پر تشیع (شیعہ رجحان) کا الزام بھی تھا۔ اور عطیہ سے مراد عطیہ عوفی ہیں، جو ضعیف راوی ہیں، اور ان کا شیخ (جس سے وہ روایت کرتے ہیں) مجہول (مبہم) ہے۔

تاہم اس روایت کو دو شواہد حاصل ہیں جو اگلی دو روایات میں آئیں گے۔ جہاں تک بات ہے حجاج کا ابن عمر کے پاس آنے کی، تو اس واقعے کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور یہ روایت سابقہ متن میں (نمبر [۱۶۲]) گزر چکی ہے۔ اس موجودہ خبر میں بخاری کی روایت پر دو مزید باتوں کا اضافہ ہے: اوّل: ابن عمر کا حجاج پر علانیہ انکار کرنا۔ دوم: حجاج کا اپنے ایک سپاہی کو نیزہ مارنے کا حکم دینا تاکہ وہ ابن عمر کو زخمی کرے۔

التخریج:

اس روایت کو طبرانی نے المعجم الکبیر (۱۳۰۳۹) میں روایت کیا ہے، اور ان کے طریق سے امام ابونعیم اصفہانی نے معرفۃ الصحابۃ (۱۲/۱۷/۳، رقم ۴۳۱۱) میں علی بن عبدالعزیز کے واسطے سے اسے مختصر صورت میں نقل کیا ہے۔ اسی روایت کو ابن سعد نے الطبقات (۴/۱۸۵) میں ابونعیم الفضل بن دکین کے طریق سے مختصر بیان کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اسے المصنف (۱۴۶۲۴) میں وکیع بن الجراح کے واسطے سے روایت کیا ہے، اور ابن سعد نے الطبقات (۴/۱۸۵) ہی میں یزید بن ہارون کے واسطے سے اسے بیان کیا ہے، ان دونوں کا واسطہ فضیل بن مرزوق ہے، اور روایت مختصر ہے۔ مزید تفصیل اگلے حوالے میں آئے گی۔

[۱۶۴] حاکم نے روایت نقل کی: ہم سے شیخ ابومحمد مزنی (۱) نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے قاضی ابوخلیفہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے ابراہیم بن ابی سوید الذارع نے روایت کیا، انہوں نے کہا: ہم سے عمارہ بن زاذان نے بیان کیا، انہوں نے کہا: مجھے مکحول نے خبر دی، وہ کہتے ہیں: میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ موجود تھا کہ اسی دوران حجاج نے کعبہ پر منجنیق نصب کی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس (ظلم) پر سخت انکار کیا اور ایسی باتیں کیں جن کا سننا حجاج کے لیے ناگوار تھا۔ چنانچہ حجاج نے انہیں قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ پھر ایک شامی شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر تلوار کا وار کیا۔ جب حجاج ان کی عیادت کے لیے (ظاہری طور پر) آیا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا: ”تو نے مجھے قتل کیا اور اب میری عیادت کے لیے آیا ہے؟! اللہ میرے اور تیرے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے کافی ہے!“ (۲)

---

(۱) امام، عالم، مقتدا، حافظ، فنونِ علم کے جامع، ابومحمد احمد بن محمد بن عبداللہ بن عبداللہ بن بشر بن مغفل بن حسان، صحابیِ رسول

عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے پوتے، مزنی مغفلی ہَروی، جنہیں بازِ سفید (الباز الأبیض) کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ انہوں نے علمِ حدیث اور دیگر علوم میں مہارت حاصل کی، تصانیف لکھیں اور مجموعے مرتب کیے۔ حاکم کہتے ہیں: وہ خراسان کے اہلِ علم کے امام تھے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور ابوموسیٰ مدینی کہتے ہیں: یہ ابومحمد مزنی ان حفاظِ حدیث میں سے تھے جنہوں نے کثرت سے روایتیں جمع کیں۔ ان کا انتقال سنہ ۳۵۶ھ میں ہوا۔

میں کہتا ہوں:

وہ بلاشبہ ثقہ اور حدیث کے بڑے اماموں میں سے تھے۔

ملاحظہ ہو: خصائص مسند احمد، ص ۱۳؛ سیر اعلام النبلاء ۱۶/۱۸۱؛ الروض الباسم فی تراجم شیوخ الحاکم ۱۶/۱۸۱؛ رقم ۹۸۔

(۲) المستدرک (۴۶۳۵۷) حسن لغیرہ۔

ابوخلیفہ: ان کا پورا نام فضل بن حباب جمحی ہے۔ امام ذہبی اور دیگر محدثین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ (دیکھیں: سیر اعلام النبلاء ۱۴/۷؛ الثقات لابن قطلوبغا ۱۳/۵۱۴۷)

ابراہیم: یہ ہیں ابن الفضل بن ابی سوید بصری۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں:

میں نے اپنے والد (ابوحاتم) سے سنا، وہ کہتے تھے: [میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے سنا: ''کہا جاتا ہے کہ یہ کثرت سے تصحیف (الفاظ میں تبدیلی) کرتے ہیں اور احادیث کو درست طریقے سے نقل نہیں کرتے''۔ اور میں نے اپنے والد کو یہ بھی کہتے سنا: ''یہ مسلمانوں کے ثقہ افراد میں سے ہیں، قابلِ اطمینان۔''] (خلاصہ) امام ذہبی نے المیز ان میں انہیں صدوق کہا ہے، اپنی تاریخ میں حافظ کہا، جبکہ ابن حجر نے انہیں مقبول کہا ہے، اور ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں بندار، محمد بن یحییٰ، ابوزرعہ، ابوحاتم رازی اور بہت سے دیگر محدثین شامل ہیں۔ صحاح ستہ میں ان کی کوئی روایت موجود نہیں۔

میں کہتا ہوں: ابن حجر کا یہ کہنا کہ وہ مقبول ہیں، اس کی مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی، کیونکہ تصحیف (الفاظ میں تبدیلی) کا معاملہ سند کی بنیاد پر ثابت نہیں ہوتا، اور ابن معین نے بھی ان کے بارے میں یقال (کہا جاتا ہے) کی تعبیر استعمال کی ہے، جو جزم کے درجہ میں نہیں، لہٰذا راجح یہی ہے کہ وہ ثقہ ہیں۔

اور مجھے تعجب ہے کہ تحریر التقریب کے دو فاضل محققین نے ابن حجر کے اس قول پر کوئی تنقید کیوں نہ کی۔

مراجع:

الجرح والتعدیل (۱۲۲۲)، الثقات لابن حبان (۸/۶۹)، میزان الاعتدال (۱/۵۳)، تاریخ الاسلام (۱۶/۷۹)، التقریب (۲۲۹)

عمارہ بن زاذان: یہ صدوق تھے لیکن کثیر الخطا (زیادہ غلطی کرنے والے) تھے۔ (التقریب: ۴۸۴۷)

مکحول: ان کا پورا نام ابوعبداللہ ازدی بصری ہے۔ یہ صدوق ہیں۔ (التقریب: ۶۸۷۶)

[۱۶۵] امام ذہبی نے بیان کیا: محمد بن اسماعیل الحمسی نے کہا: ہم سے احمد بن یعقوب مسعودی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے اسحاق بن سعید بن عمرو قرشی نے اپنے والد سے، اور انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ: ایک موقع

پر حجاج خطبہ دے رہا تھا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے دشمن (۱)! اللہ کے حرم کو حلال کر دیا گیا، اللہ کے گھر کو برباد کر دیا گیا، اور اللہ کے اولیاء کو قتل کر دیا گیا!! حجاج نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: عبداللہ بن عمر۔ تو حجاج بولا: چپ ہو جا، اے بڈھے! یہ تو خرف (بڑھاپے کی سٹھیاہٹ) کا شکار ہو گیا ہے۔ پھر جب حجاج واپس لوٹا، تو اس نے اپنے کچھ کارندوں کو حکم دیا (۲)، چنانچہ ان میں سے ایک نے ایک زہر آلود نیزہ لیا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی پنڈلی پر وار کیا۔ اس زخم سے وہ بیمار ہو گئے اور اسی بیماری سے وفات پا گئے۔ بعد میں حجاج ان کی عیادت کے لیے آیا، اس نے سلام کیا، لیکن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب نہ دیا، پھر اس نے کچھ باتیں کیں، لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس روایت کو امام بخاری نے اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے (۳)۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء میں یہ جملہ اسی طرح ہے: یَا عَدُوَّ اللہِ! اے اللہ کے دشمن!

(۲) سیر اعلام النبلاء میں ہے: جب لوگ واپس پلٹے تو حجاج نے اپنے کچھ مُسوّدَہ (کارندوں، سیاہ جھنڈوں والوں، یا ذاتی گارڈز) میں سے بعض کو حکم دیا۔۔۔

(۳) تذکرۃ الحفاظ (۱/۳۱) کی ابتدا سے قول (قَدْ خَرِفَ) تک: شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ اور اس کی باقی سند بھی شواہد کی روشنی میں حسن ہے۔ اس کے شواہد کے لیے پچھلی خبر اور اگلی دو خبروں کو دیکھیں۔ یہ روایت معلّق سند کے ساتھ ہے، اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

التخریج:

اور امام ذہبی نے اس روایت کو سیر اعلام النبلاء (۳/۲۳۰) میں احمد بن یعقوب مسعودی کی سند سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

اور امام بخاری نے اسے اپنی صحیح (حدیث نمبر: ۹۲۴) میں احمد بن یعقوب مسعودی کے واسطے سے اسی سند کے ساتھ مختصر صورت میں روایت کیا ہے۔

[۱۶۶] ابن سعد نے روایت بیان کی: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہم سے اسود بن شیبان نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے خالد بن

سمیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا: فاسق حجاج منبر پر خطبہ دے رہا تھا، اس نے کہا: ابن زبیر نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی ہے! اس پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: تو نے جھوٹ کہا! تو نے جھوٹ کہا! تو نے جھوٹ کہا! نہ وہ ایسا کر سکتا ہے، نہ ہی تُو اس وقت اس کے ساتھ تھا۔ تو حجاج نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: چپ ہو جا! تُو ایک بوڑھا ہے جو خرف (سٹھیاہٹ) کا شکار ہو چکا ہے، تیرا دماغ جاتا رہا ہے۔ عنقریب ایک بوڑھا پکڑا جائے گا، پھر اس کی گردن ماردی جائے گی اور اسے گھسیٹا جائے گا؛ اس کے خصیے پھول چکے ہیں، اور بقیع کے لڑکے اسے گلیوں میں گھمائیں گے!(۱)۔

حجاج کا یہ قول: **(عنقریب ایک بوڑھا پکڑا جائے گا، اس کی گردن ماری جائے گی، پھر اسے گھسیٹا جائے گا۔۔۔)** اس میں قتل کی واضح دھمکی ہے۔

اور یہ واقعہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد پیش آیا، جیسا کہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ(۲) میں بیان کیا ہے۔

---

(۱) الطبقات الکبریٰ (۴/۱۸۴) میں یہ روایت صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ خالد بن سمیر کے بارے میں: امام نسائی اور عجلی نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ ابن حجر نے کہا ہے: یہ صدوق ہیں، تھوڑی بہت وہم (اشتباہ) کرتے ہیں۔ البتہ تحریر التقریب میں ان کے متعلق درج ہے: بلکہ وہ ثقہ ہیں۔ (ملاحظہ ہو: التقریب: ۱۶۴۲)

التخریج:

امام ذہبی نے اسے تاریخ الاسلام (۵/۴۶۶) اور سیر اعلام النبلاء (۳/۲۳۰) میں اسود کے طریق سے، اسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

اور شیخ شعیب الارناؤوط نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اور امام ذہبی نے اسی واقعے کو تذکرۃ الحفاظ (۱/۳۳) میں حماد بن زید، ہشام بن حسان، محمد بن سیرین کی سند سے نقل کیا ہے، کہ: حجاج خطبہ دے رہا تھا۔۔۔ اور پھر اسی مفہوم کو ذکر کیا۔ اور سیر اعلام النبلاء (۳/۲۳۰) میں بھی ہشام کی سند سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

اسی طرح اسحاق بن راہویہ نے - جیسا کہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۹/۱۴۰) میں ذکر کیا - روایت کیا: جریر نے قعقاع بن صلت سے بیان کیا، انہوں نے کہا: حجاج خطبہ دے رہا تھا۔۔۔ اور اسے مختصر طور پر اسی مفہوم میں ذکر کیا۔

یہ روایت مُعضَل (سند میں دو یا زیادہ راویوں کے درمیان گراوٹ کے ساتھ منقطع) ہے۔

(۲) (البداية والنهاية (٣٦٦/٨)۔

[۱٦٧] امام طبری نے اپنی تفسیر میں یہ روایت بیان کی: مجھے یعقوب بن ابراہیم نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہم سے ابن علَیہ نے بیان کیا، انہوں نے ایوب سے، اور انہوں نے نافع سے روایت کی: ''حجاج نے خطبہ بہت طویل کر دیا، تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا سر میرے (یعنی نافع کے) زانو پر رکھ دیا۔ اتنے میں حجاج نے کہا: ابن زبیر نے اللہ کی کتاب کو بدل دیا ہے! یہ سن کر ابن عمر رضی اللہ عنہما اٹھ کر بیٹھ گئے اور بولے: نہ تم ایسا کر سکتے ہو، نہ ابن زبیر، ﴿لَا تَبۡدِيلَ لِكَلِمَٰتِ ٱللَّهِ﴾(۱) اور نہ ہی اللہ کے کلام میں کوئی تبدیلی ممکن ہے۔ حجاج نے کہا: یقیناً تمہیں ایسا علم دیا گیا ہے۔۔۔ اگر وہ تمہیں فائدہ دے!۔ ایوب کہتے ہیں: جب حجاج نے بات اپنی طرف پلٹائی (یعنی ابن عمر کے بارے میں کہا)، تو ابن عمر خاموش ہو گئے(۲)۔

---

(۱) [یونس: ٦۴]

(۲) تفسیر طبری (۱۵/۱۴۱) میں یہ روایت صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری کی شرط پر پوری اترتی ہے۔ یعقوب بن ابراہیم: یہ ابو یوسف دورقی ہیں۔ ابن علیہ: یہ اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم اسدی ہیں۔ ایوب: یہ ابن ابی تمیمہ سختیانی ہیں۔

شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ایک عظیم الشان روایت ہے، جس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاق واضح طور پر نمایاں ہیں، جیسا کہ انہیں ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا تھا: جابر و ظالم حکمرانوں سے مرعوب نہ ہونا قول و عمل کے ذریعے منکر (برائی) کا انکار کرنا بات کے مفہوم اور نیتوں کو سمجھنے میں بیداری رکھنا لوگوں کو برملا اپنے حکمرانوں اور والیوں کی غلطیوں سے آگاہ کرنا اور اگر ظلم ان کی اپنی ذات کو پہنچے تو اس پر صبر کرنا لیکن اگر بات اللہ، اس کے رسول، اور اس کی نازل کردہ کتاب کے بارے میں ہو، تو وہ انبیاء اور حکمرانوں سب کو یکساں طور پر امر و نہی (حکم دینا اور روکنا) سکھاتے تھے، کسی جابر سے نہیں ڈرتے تھے، چاہے وہ ایسا جابر ہو جس کی تلوار خون بہانے کی عادی ہو چکی ہو، اور جس کی زبان طنز، کاٹ، اور ضد پر تربیت یافتہ ہو چکی ہو۔ اللہ ان لوگوں پر رحم فرمائے جن کی امت کے رہنما اور پیشوا ایسے بزرگانِ باوقار ہوں۔

التخریج:

اس روایت کو علی بن حجر سعدی نے اپنی کتاب حدیث علی بن حجر سعدی عن إسماعیل بن جعفر مدنی (حدیث نمبر: ۱۰۰) میں ابن علیہ کے واسطے سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اسی طرح امام حاکم نے اسے المستدرک (حدیث: ۳۳۰۱) میں ابو النعمان عارم بن فضل کے طریق سے ابن علیہ سے، اسی سند پر روایت کیا،

اور کہا: یہ حدیث شیخین (بخاری ومسلم) کی شرط پر صحیح ہے، لیکن انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ اور امام ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔
اسی روایت کو اسماعیل بن محمد الصفار نے اپنی حدیثی مجموعہ (حدیث: ۵۷۶) میں بیان کیا، اور اسی طریق سے امام بیہقی نے اسے اپنی کتاب الاسماء والصفات (ص: ۵۲۸) میں ذکر کیا، جو کہ ابو قلابہ عبدالملک بن محمد رقاشی سے، اور وہ سعید بن عامر سے، اور وہ جویریہ بن اسماء سے، اور وہ نافع سے مختصر صورت میں روایت کرتے ہیں۔ یہ مجموعہ ''مجموع فیہ مصنفات ابی العباس الاصم واسماعیل الصفار'' کے عنوان سے طبع ہوا ہے۔

[۱۶۸] امام حاکم نے روایت کیا: مجھے محمد بن علی بن عبدالحمید صنعانی نے مکہ مکرمہ میں خبر دی، انہوں نے بیان کیا: ہم سے اسحاق بن ابراہیم بن عباد نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے بیان کیا، انہوں نے زہری سے، اور انہوں نے سالم سے روایت کیا، وہ بیان کرتے ہیں: ''میرے والد (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) نے مجھے وصیت کی تھی کہ انہیں حدودِ حرم سے باہر دفن کیا جائے۔ لیکن ہم اس کی قدرت نہ پا سکے، لہٰذا ہم نے انہیں حرم کے اندر فخ (۱) کے مقام پر، مہاجرین کے قبرستان میں دفن کیا (۲)۔''

(۱) فخ: یہ مکہ مکرمہ کا ایک وادی ہے، جیسا کہ یاقوت حموی نے بیان کیا ہے۔ اور عاتق الحربی نے کہا: یہ مکہ کی بڑی وادیوں میں سے ایک ہے، اور اسی کو ''وادی الزاہر'' بھی کہا جاتا ہے، یہ عمرۂ تنعیم اور مسجدِ حرام کے درمیان واقع ہے۔ (ملاحظہ ہو: معجم البلدان ۴/ ۲۳۷، اور معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: ۲۳۴)
(۲) المستدرک (۶۳۵۹) میں یہ روایت صحیح الاسناد ہے۔ محمد بن علی کی سوانح کے لیے ملاحظہ ہو: الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاکم (ص: ۹۹۱)۔ ابوالحسن السلمانی نے ان کے بارے میں کہا: [وہ صدوق ہیں، اور اگر کوئی انہیں ثقہ کہے تو یہ بھی بجا ہوگا]۔
اسحاق: یہ ابو یعقوب دَبَری ہیں، جو عبدالرزاق کے مشہور راوی ہیں۔ انہوں نے عبدالرزاق سے اُن کی تصنیفات خود سنیں، اور ان کا یہ سماع صحیح ہے جیسا کہ امام ذہبی نے فرمایا۔ امام دارقطنی نے ان کے متعلق کہا: یہ صدوق ہیں۔ جبکہ ابن عدی نے کچھ کلام کیا، مگر امام ذہبی نے ان کا دفاع کیا۔ (ملاحظہ ہو: الکامل فی الضعفاء ۱/۳۴۴، سؤالات الحاکم للدارقطنی: ۶۲، سیر اعلام النبلاء ۱۳/۴۱۶، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة ۲/۳۰۰)
اور سالم: یہ عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے ہیں۔

● امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف۔

جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مختلف مواقف کو جمع کیا جائے: تو واضح ہوتا ہے کہ ابن زبیر کے بارے میں ان کا موقف تین صورتوں میں اللہ کی رضا پر مبنی تھا۔

پہلا موقف:

یہ کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اس جنگ سے راضی نہ تھے جو ابن زبیر اور پہلے یزید بن معاویہ، پھر مروان بن حکم، اور بعد ازاں اس کے بیٹے عبدالملک بن مروان کے درمیان جاری تھی، کیونکہ وہ اسے فتنے کی جنگ اور اقتدار کے لیے لڑائی سمجھتے تھے۔

اس پر درج ذیل باتیں دلالت کرتی ہیں:

[۱۶۹] فاکہی نے روایت کیا: (ہم سے عبد الجبار بن علاء نے بیان کیا، انہوں نے کہا: مجھ سے یحییٰ بن عیسیٰ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں اعمش نے مجاہد سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: میں مکہ آیا، تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا: ''اے مجاہد! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ لوگ (دوبارہ) کافر ہو گئے ہیں؟'' میں نے کہا: کیسے؟ انہوں نے کہا: ''عبداللہ بن زبیر اور عبدالملک بن مروان ایک دوسرے کی گردنیں مار رہے ہیں!''

ابنِ ابی عمر نے ہمیں حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مروان بن معاویہ نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں حسن بن عمرو نے مجاہد کے واسطے سے خبر دی، انہوں نے کہا: میں کچھ مدت کے لیے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے غائب رہا، پھر ان سے ملاقات ہوئی۔۔۔ پس انہوں نے اس جیسی ہی بات بیان کی[1]۔

---

(۱) یہ روایت أخبار مکۃ للفاکھی میں حدیث نمبر (۱۶۶۸) اور (۱۶۶۹) کے تحت موجود ہے، اور یہ صحیح ہے۔ یحییٰ بن عیسیٰ، جن کا پورا نام ابوزکریا التمیمی النہشلی الرملی ہے، وہ صدوق (سچے) تھے، البتہ ان سے غلطیاں ہو جاتی تھیں، اور ان پر تشیع (شیعہ میلان) کا الزام بھی لگایا گیا ہے۔ اور ابن ابی عمر سے مراد محمد بن یحییٰ العدنی ہیں۔ جبکہ حسن بن عمرو، الفقیمی التمیمی الکُرَوِی ہیں۔

یہ خبر فاکہی نے دوسندوں کے ساتھ روایت کی ہے؛ پہلی سند حسن ہے اور دوسری صحیح۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث کی طرف اشارہ کررہے ہیں جو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی، جسے امام بخاری نے ان سے روایت کیا ہے، کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم میں سے بعض، بعض کی گردنیں مارنے لگیں۔''(۱)

(۱) یہ حدیث صحیح البخاری (حدیث نمبر ۶۶۶۶) میں موجود ہے، اور یہ روایت [۱۵۵] کے تحت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے موقف کے ذکر کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ حکومت وسلطنت کے لیے کیا جانے والا قتال اسی حدیث کے دائرے میں آتا ہے، اور یہ فتنے کا قتال ہے۔ اور وہ کفر سے یہاں کفرِ اصغر مراد لیتے تھے؛ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔''(۱)

(۱) یہ حدیث صحیح البخاری (حدیث نمبر ۴۸) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: (یہ تو قریش کے چند نوجوان ہیں(۱)، جو محض اس حکومت اور دنیا کے لیے آپس میں لڑ رہے ہیں۔)(۲)

(۱) قریش کے چند نوجوانوں سے مراد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہیں، نہ کہ مکہ کے عام باشندے۔ اور ان کے مقابل فریق: یزید بن معاویہ، پھر مروان بن حکم اور ان کا بیٹا ولید تھے۔

(۲) حلیۃ الاولیاء (۳۰۹/۱ - ۳۱۰) میں یہ روایت موجود ہے، اس کی سند صحیح ہے، اور اس کا مکمل متن اور تخریج آگے نمبر [۶۱۷] کے تحت آئے گی۔

جب حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا مکہ مکرمہ میں محاصرہ کیا ہوا تھا، تو عمیر بن ہانی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: (آپ اہلِ مکہ کے بارے میں

کیا کہتے ہیں؟(۱) تو انہوں نے فرمایا: ''میں ان کے لیے عذر پیش کرنے والا نہیں ہوں۔'' میں نے کہا: ''تو پھر آپ اہلِ شام کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟(۲)'' فرمایا: ''میں ان کی بھی مدح و ستائش نہیں کرتا۔ دونوں ہی دنیا کے لیے آپس میں لڑ رہے ہیں، اور دونوں جہنم میں ایسے گرتے جا رہے ہیں (۳) جیسے مکھی شوربے میں گرتی ہے۔'')(۴)

---

(۱) یعنی: ابن زبیر اور اس کا لشکر مراد ہے۔

(۲) یعنی: عبدالملک بن مروان، حجاج بن یوسف ثقفی اور اس کا لشکر مراد ہے۔

(۳) یتھافتون: یعنی: وہ ایک دوسرے کے پیچھے گرتے چلے جا رہے ہیں؛ یہ لفظ ''ہفت'' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں گرنا۔ تھافُت کا استعمال زیادہ تر شر اور بربادی کے مواقع پر ہوتا ہے۔ ''ہفت'' کا مطلب ہے: کسی چیز کا ایک ایک کر کے ٹکڑوں کی صورت میں گرنا، جیسے برف کے گالے یا بارش کی نرم بوندیں تھوڑا تھوڑا کر کے گر رہی ہوں۔ (ماخذ: لسان العرب، جلد ۲، صفحہ ۱۰۴، مادہ: ھفت)

(۴) تاریخِ دمشق (۴۶/۴۹۷) میں یہ روایت موجود ہے، اور یہ روایت سنداً ''صحیح لغیرہ'' ہے، اور اس کا مکمل متن اور تفصیلی شرح آگے نمبر [۶۱۸] کے تحت آئے گی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اہلِ مکہ کے بارے میں یہ فرمانا کہ (میں ان کے لیے کوئی عذر پیش نہیں کرتا) اس بات کی دلیل ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اس عمومی قتال پر رضامندی نہ تھی جو انہوں نے (حکومت کے لیے) کیا۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اہلِ شام کے بارے میں یہ فرمانا: (میں ان کی تعریف کرنے والا نہیں ہوں) اس بات کی دلیل ہے کہ وہ انہیں امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف باغی سمجھتے تھے۔ اور یہ بھی کہ انہوں نے حرمِ مکہ کا محاصرہ کر کے سخت زیادتی کی اس میں اسلحہ لے کر داخل ہونا، خانۂ کعبہ کے گرد منجنیقیں نصب کرنا (حالانکہ حجاج نے بیت اللہ کے گرد چالیس منجنیقیں نصب کی تھیں)(۱)، اور حرمِ اللہ عزوجل میں لوگوں کو قتل کرنا یہ سب امور قبیح اور شدید حرمت پامال کرنے والے تھے۔

(۱) پچھلا ماخذ

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول (وہ دنیا کے لیے لڑ رہے ہیں) کا مطلب ہے: حکومت اور اقتدار کے لیے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا نظریہ یہ تھا کہ حکومت کے لیے کیا جانے والا قتال، محض دنیا کے لیے لڑائی ہے، اور یہ فتنہ انگیز قتال شمار ہوتا ہے۔

ان کے قول (وہ جہنم میں گرتے جا رہے ہیں) کا مطلب ہے: وہ دوزخ کی آگ میں گر رہے ہیں۔ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے: ''جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے سے لڑیں، تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں ہوں گے۔''[۱] ابن حجر نے کہا: ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ - جو اس حدیث کے راوی ہیں - انہوں نے اس حدیث کو اس کے عموم پر محمول کیا کہ ہر دو مسلمان جو تلواروں کے ساتھ آمنا سامنا کریں، ان پر یہ حکم ہو، تا کہ اس (جنگ) کی جڑ ہی ختم کر دی جائے۔ ورنہ درست بات یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب قتال ان دونوں کی طرف سے کسی جائز شرعی تاویل کے بغیر ہو[۲]۔ میں کہتا ہوں: اور ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کو اسی طرح سمجھا ہے جیسے ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ نے سمجھا تھا۔

(۱) اس حدیث کو امام بخاری نے حدیث نمبر (۳۱) کے تحت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور آگے یہ روایت نمبر [۲۵۲] کے تحت انہی کی روایت سے آئے گی، جبکہ نمبر [۱۸۸] اور [۱۸۹] کے تحت یہ حدیث ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہو گی۔

(۲) فتح الباری (۸٦/۱)

مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہما ہی خلیفہ شرعی تھے[۱]، پھر مروان بن حکم نے ان کے خلاف خروج کیا اور اپنے لیے خلافت کا دعویٰ کیا، اور امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی

اللہ عنہ سے جنگ کی۔ یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان کے دور میں معاملہ اس حد تک پہنچا کہ اس نے حجاج بن یوسف ثقفی کو ابن زبیر سے جنگ کے لیے بھیجا، اور پھر جو کچھ ہونا تھا، وہ ہوا۔

(۱) دیکھیے: ''خلافتِ امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ''، تالیف: ڈاکٹر علی محمد الصلابی، صفحہ (۶۴)۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شخص سے، جس نے ان سے فتنے کے ختم ہونے تک قتال کے بارے میں سوال کیا، فرمایا: (کیا تُو جانتا ہے فتنہ کیا ہے؟ تیری ماں تجھ سے محروم ہو! ''فتنہ تو وہ تھا جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکوں سے قتال کرتے تھے، کیونکہ اسلام میں داخل ہونے سے ان کے لیے فتنہ تھا۔ یہ (تمہارا قتال) ایسا نہیں ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قتال تھا، بلکہ تم تو محض حکومت کے لیے لڑ رہے ہو''[۱])

(۱) دیکھیں حوالہ نمبر [۱۷۵]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فتنے اور حکومت کے لیے ہونے والے قتال کو ناپسند کرتے تھے، اور وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خلافت کا مطالبہ کرنے سے روکتے تھے۔ اور اس پر درج ذیل بات دلیل ہے:

[۱۷۰] جیسا کہ مسلم نے روایت کیا ہے: ابونوفل بیان کرتے ہیں: میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو مدینہ کے راستے میں ایک بلند جگہ پر سولی پر لٹکے ہوئے دیکھا[۱]۔ قریش اور دیگر لوگ ان کے قریب سے گزرتے رہے، یہاں تک کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہاں پہنچے۔ وہ رک گئے اور کہنے لگے: السلام علیک یا ابا خبیب[۲]، السلام علیک یا ابا خبیب، السلام علیک یا ابا خبیب! خدا کی قسم! میں تمہیں اس انجام سے منع کرتا رہا، خدا کی قسم! میں تمہیں اس سے روکتا رہا، خدا کی قسم! میں تمہیں اس سے

باز رہنے کو کہتا رہا۔ بخدا! جتنا میں تمہیں جانتا ہوں، تم بہت روزے رکھنے والے، راتوں کو عبادت کرنے والے، اور صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ اور بخدا! اگر ایک امت ایسی ہو جس میں تم سب سے برے فرد ہو، تو وہ امت یقیناً بہت ہی اچھی امت ہے۔ اس کے بعد ابن عمر وہاں سے چلے گئے (۳)۔ جب حجاج تک ابن عمر کے رکنے اور ان کے ان کلمات کی خبر پہنچی، تو اس نے عبد اللہ بن زبیر کی لاش درخت سے اتارنے کا حکم دیا (۴) اور اسے یہودیوں کے قبرستان میں پھینک دیا۔ پھر حجاج نے عبد اللہ بن زبیر کی والدہ، اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو بلوانا چاہا، مگر انہوں نے آنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حجاج نے دوبارہ قاصد بھیجا اور دھمکی دی: اگر تم میرے پاس نہ آئیں تو میں کسی کو بھیجوں گا جو تمہیں تمہارے بالوں سے گھسیٹتا ہوا (۵) میرے پاس لے آئے گا۔ اسماء نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں تیرے پاس ہرگز نہیں آؤں گی جب تک تُو واقعی کسی کو نہ بھیج دے جو مجھے میرے بالوں سے گھسیٹ کر لے آئے۔ حجاج نے کہا: مجھے میرے جوتے دکھاؤ! (۶) پھر اس نے جوتے پہن کر تیز قدموں سے اکڑ کر (۷) چلتے ہوئے اسماء کے پاس داخل ہوا اور کہا: کیا تم نے دیکھا کہ میں نے اللہ کے دشمن کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: تو نے اس کی دنیا تو بگاڑ دی، مگر اپنی آخرت بھی خراب کر لی۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تُو اسے ابنِ ذات النطاقین (۸) کہتا ہے۔ سن لے! اللہ کی قسم! میں ہی وہ ذات النطاقین ہوں۔ ایک نطاق وہ تھا جس سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کھانا جانوروں پر باندھ کر لے جاتی تھی، اور دوسرا وہ کمر بند ہے جو ہر عورت اپنی ضرورت کے لیے استعمال کرتی ہے۔ پھر اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ہمیں خبر دی تھی کہ ثقیف (یعنی طائف) میں ایک بڑا جھوٹا اور ایک سخت تباہ کن (لوگوں کو ہلاک کرنے والا ظالم) شخص پیدا ہوگا(۹)۔ جھوٹے کو تو ہم دیکھ چکے ہیں(۱۰)، اور جہاں تک تباہ کن شخص کی بات ہے تو میرا گمان ہے(۱۱) کہ وہ تُو ہی ہے!''
راوی کہتے ہیں: پھر حجاج وہاں سے اٹھ کر چلا گیا اور اسماء رضی اللہ عنہا سے دوبارہ کچھ نہ کہا۔(۱۲)

---

(۱) یہ (جگہ) مکہ مکرمہ میں واقع ایک چڑھائی (یا بلند مقام) ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے شرف بخشا ہے۔
(۲) ابوُخُبَیب: یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی کنیت تھی، اور خُبَیب ان کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔
(۳) نَفَذَ: یعنی واپس چلے گئے/ وہاں سے روانہ ہوگئے۔
(۴) یعنی حجاج نے عبداللہ بن زبیر کی لاش- جو ایک درخت کے تنے پر سولی دی گئی تھی- کو اُس تنے سے اُتارنے کے لیے کسی کو بھیجا۔
(۵) یعنی (وہ شخص) تمہیں تمہارے گندھے ہوئے بالوں سے گھسیٹ کر لائے گا۔
(۶) السِّبتُ: اُس جوتی کو کہا جاتا ہے جس پر بال نہیں ہوتے، اور یہ عموماً اُس گائے کی چمڑے سے بنائی جاتی ہے جسے قرض نامی پودے سے دباغت دی گئی ہو۔ ان جوتیوں کو سبت اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی کھال سے بال ہٹا دیے جاتے ہیں یعنی یا تو پیدا ہی بغیر بال کے ہوئی ہو یا پھر بال الگ کر دیے گئے ہوں۔
(۷) تَوَذُّف کا مطلب ہے: قدموں کو قریب قریب رکھ کر اکڑ کر چلنا۔ اور بعض کے نزدیک اس سے مراد تیزی سے چلنا بھی ہے۔ (ماخذ: النہایہ ۱۷۱/۵)
(۸) نِطَاق اس حالت کو کہتے ہیں جب عورت اپنا لباس پہنے، پھر کمر کے گرد کوئی چیز باندھے، اور کپڑے کے درمیانی حصے کو اوپر اُٹھا کر نیچے چھوڑ دے۔ عورتیں ایسا اس وقت کرتی ہیں جب وہ کوئی مشقت یا کام کاج کر رہی ہوں، تاکہ دامن میں اُلجھ کر ٹھوکر نہ لگے۔
(۹) مُبِیر: اُس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کو ہلاک کرنے والا ہو اور ان کی ہلاکت میں حد سے بڑھ جائے یعنی جو تباہی اور قتل و غارت میں حد سے تجاوز کرے۔
(۱۰) (اسماء رضی اللہ عنہا کی) مراد مختار بن ابی عبید ثقفی ہے، جس نے یہ جھوٹا دعویٰ کیا تھا کہ جبریل علیہ السلام اس کے پاس وحی لے کر آتے ہیں، اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدیث میں جس کذاب (جھوٹے) کی خبر دی گئی ہے، اس سے مراد یہی شخص ہے۔
(۱۱) میرا خیال ہے کہ تم ہی وہ ہو۔
(۱۲) یہ روایت صحیح مسلم (حدیث: ۱۹۰۷) میں ہے۔ ابونوفل کا نام ابنِ ابی عقرب البکری ہے۔ اور اس روایت کو طبرانی نے المعجم الکبیر (۹۶/۱) میں الاسود بن شیبان کے واسطے سے بھی نقل کیا ہے، جس میں کچھ نفع بخش الفاظ اور اضافے بھی موجود ہیں؛ اگر چاہو تو وہاں بھی ملاحظہ کر لو۔

دوسرا موقف:

ابن عمر رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ، یزید بن معاویہ پر خروج کرنے والے (یعنی باغی) تھے،،،

یہ خبر صحیح ثابت ہوئی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کو فئہ باغیہ (سرکش گروہ) قرار دیا تھا، لیکن یہ بات ان کے آخری وقت (یعنی وفات کے قریب) کی نہیں ہے، بلکہ یزید بن معاویہ کے دورِ خلافت میں ہوئی تھی، اور خاص طور پر سن ۶۳ ہجری میں واقعہ حرہ کے بعد[1]۔

(۱) زہری اور ان کے علاوہ دیگر اہلِ علم نے واقعۂ حرہ کا سنہ ۶۳ ہجری میں وقوع ہونا بیان کیا ہے۔ملاحظہ کریں: البدایہ والنہایہ (۸/ ۲۳۸، ۸/ ۲۴۲)، اور فتح الباری از ابن حجر (۱۳/ ۷۱)۔

[۱۷۱] یعقوب بن سفیان نے ''المعرفۃ والتاریخ'' میں - جیسا کہ تاریخِ دمشق میں منقول ہے - یہ روایت نقل کی ہے: حجاج بن ابی منیع نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں میرے دادا نے حدیث سنائی۔ اور ابو صالح نے بیان کیا، کہا: مجھے ہقل نے صدفی سے حدیث دی۔ اور محمد بن یحییٰ بن اسماعیل نے ابن وہب سے، اور انہوں نے یونس سے روایت کی۔ ان سب نے زہری سے، اور زہری نے کہا: مجھے حمزہ بن عبداللہ بن عمر نے خبر دی کہ ایک دن وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ عراق سے ایک شخص آیا اور کہا: اے ابو عبدالرحمن! اللہ کی قسم! تحقیق (۱) میں نے بڑی کوشش کی کہ آپ کا طرزِ عمل اختیار کروں (۲)، اور لوگوں کے اختلاف کے معاملے میں آپ کی پیروی کروں، اور جہاں تک ممکن ہو، فتنے سے دور رہوں۔ لیکن میں اللہ کی کتاب کی ایک محکم آیت پڑھتا ہوں جس نے میرا دل اپنی گرفت میں لے لیا

ہے(۳)، تو مجھے اس کے بارے میں بتائیے۔ کیا آپ مجھے اللہ کے اس فرمان ﴿وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا﴾ کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟(۴) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''تمہیں اس سے کیا واسطہ؟ مجھ سے دور ہو جاؤ۔'' چنانچہ وہ شخص اٹھ کر چلا گیا، یہاں تک کہ وہ نظر سے اوجھل ہو گیا۔ پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''مجھے اپنے دل میں اس آیت کے بارے میں جو خلش ہے(۵)، اس جیسی کسی بات پر کبھی محسوس نہیں ہوئی، جتنا میں نے اس فئہ باغیہ سے قتال(۶) نہ کرنے پر محسوس کیا، حالانکہ اللہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ان سے قتال کروں۔'' حمزہ کہتے ہیں: ہم نے ان سے پوچھا: تو آپ کے نزدیک 'فئہ باغیہ' کون تھی؟ انہوں نے فرمایا: ''ابن الزبیر نے ان لوگوں پر بغاوت کی، انہیں ان کے گھروں سے نکال دیا(۷)، اور ان سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا۔''(۸)

---

(۱) چھپے ہوئی (نسخہ) میں (لو) کا لفظ ہے، جبکہ المستدرک، السنن الکبری للبیہقی اور اِتحاف المہرہ میں جو الفاظ ثابت ہیں وہ مختلف ہیں۔

(۲) المستدرک، السنن الکبری للبیہقی، اور اِتحاف المہرۃ میں (یہ الفاظ) اس طرح ہیں: [أَنْ أَتَسَمَّتَ بِسَمْتِكَ] یعنی اصل الفاظ جو ان معتبر کتب میں وارد ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: [أَنْ أَتَسَمَّتَ بِسَمْتِكَ]، جس کا مطلب ہے: کہ میں آپ کی روش اختیار کروں یا آپ کے طرزِ عمل کو اپناؤں۔

(۳) مطبوعہ نسخے میں (فَقَدْ) کا لفظ ہے، جبکہ المستدرک، السنن الکبری للبیہقی، اور اِتحاف المہرۃ میں جو لفظ ثابت ہے، وہ اس سے مختلف ہے۔

(۴) [الحجرات:۹]۔

(۵) اسی طرح (یعنی الأُمَّةُ) مطبوعہ نسخے، المستدرک، اور اِتحاف المہرۃ میں ہے، جبکہ السنن الکبری للبیہقی اور فتح الباری میں (الأُمَّةِ) یعنی زیر کے ساتھ ہے۔

(۶) المستدرک، السنن لکبری للبیہقی، اور اِتحاف المہرۃ میں یہ الفاظ اس طرح ہیں: (أَنِّي لَمْ أُقَاتِلْ) یعنی: ان معتبر مصادر میں روایت کے الفاظ یوں وارد ہوئے ہیں: کہ میں نے قتال نہیں کیا۔ (عربی: أَنِّي لَمْ أُقَاتِلْ)

(۷) ابن حجر نے کہا: یعنی (اس سے مراد) بنو امیہ ہیں۔ (حوالہ: فتح الباری، ۱۳/۷۲)

(۸) تاریخ دمشق (حدیث/اثر نمبر: ۱۹۳۳۱) میں یہ موجود ہے، نیز دیکھیے: تاریخ دمشق میں ابن عساکر کی جمع کردہ مصادر کی

کتاب موارد ابن عساکر (۱/۱۲۷)۔

روایت پر حکم:

یہ روایت اپنی تقویت کی وجہ سے صحیح لغیرہ ہے، اور اس خبر کو تین سندوں کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

پہلی (سند): اس کی سند جید (اچھی) ہے۔ محمد بن یحییٰ الذہلی نے کہا:

[عبید اللہ بن ابی زیاد کے بارے میں مجھے کوئی اور راوی معلوم نہیں، سوائے اس کے پوتے حجاج بن ابی منیع کے، اُس نے مجھے زہری کی احادیث کا ایک مجموعہ نکال کر دکھایا، تو میں نے اس کا مطالعہ کیا، اور دیکھا کہ وہ سب صحیح احادیث تھیں، لیکن میں نے ان میں سے تھوڑی سی ہی نقل کی۔] اور امام ذہبی نے کہا: [حجاج بن ابی منیع، اپنے دادا عبید اللہ بن ابی زیاد سے، زہری سے روایت کرتا ہے، اور اس کے پاس زہری سے روایت کردہ ایک بڑا مجموعہ موجود ہے۔] (مراجع کے لیے دیکھیے: تہذیب الکمال ۱۹/۴۱، تاریخ الاسلام ۱۵/۱۰۸) (یہ تبصرہ اس سند کے راویوں کی ثقاہت اور روایت کی جودت پر اعتماد ظاہر کرنے کے لیے نقل کیا گیا ہے، اور اس بنا پر اس سند کو جید کہا گیا ہے)۔

دوسری اور تیسری دونوں سندیں ضعیف مگر قابلِ احتمال (برداشت کے قابل) ہیں۔

سند کے راویوں کے حالات (اسماء الرجال):

- حجاج: یہ یوسف بن ابی منیع عبید اللہ بن ابی زیاد الرُّصافی کا بیٹا ہے، اور وہ ثقہ (قابلِ اعتماد) راوی ہے۔ التقریب (۱۱۳۸)۔

- اور اس کے دادا عبید اللہ (بن ابی زیاد): صدوق ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۴۲۹۱)

- ابو صالح: یہ عبد اللہ بن صالح المصری ہے، امام لیث کا کاتب (کاتبُ اللَّیث)۔ صدوق ہے مگر بہت زیادہ غلطیاں کرتا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں تفصیل سے گفتگو اپنی کتاب ''خطبۃ الحسن ومعاویۃ عند البیعۃ'' میں (نمبر: ۳۵) پر کی ہے۔

- الھقل: یہ ابن زیاد، ابو عبد اللہ السَّکسکی دمشقی ہے، امام اوزاعی کا کاتب اور شاگرد تھا، ثقہ ہے۔ (تقریب التہذیب: ۷۳۱۴)

- الصَّدَفِی: یہ معاویہ بن یحییٰ، ابو روح ہے، ضعیف راوی ہے (تقریب التہذیب:

۲۷۷۶)۔امام بخاری نے کہا: اس سے ہِقل بن زیاد نے جو روایات بیان کی ہیں وہ درست معلوم ہوتی ہیں، جیسے کہ وہ کتاب التاریخ الکبیر سے نقل کی گئی ہوں۔(تاریخ الکبیر: ۳۳۶/۷)۔ امام دارقطنی نے کہا: ہِقل بن زیاد نے جو اس سے روایت کی ہیں وہ لکھی جائیں، اور باقی اس کی روایات سے اجتناب کیا جائے۔(الضعفاء والمتروکین: ۳/۱۳۲)

- محمد بن یحییٰ بن اسماعیل: یہ تمیمی، سمار (برتن بیچنے والا یا بنانے والا) ہے۔امام دارقطنی نے کہا: یہ مرضی/ رضا کے قابل نہیں۔(سؤالات حمزہ: ۱۳۱، میزان الاعتدال: ۶۵/۴)

- ابن وہب: یہ عبداللہ، ابومحمد مصری فقیہ ہیں۔ثقہ، حافظ (یعنی حدیث کے بڑے حافظ)، اور عبادت گزار تھے۔(تقریب التہذیب: ۳۶۹۴)۔

- یونس: یہ یونس بن یزید بن ابی النجاد ایلی ہیں، ثقہ ہیں، لیکن ان کی روایت میں زہری سے کچھ معمولی وہم پایا جاتا ہے، اور زہری کے علاوہ سے روایت میں کچھ غلطی بھی ہوتی ہے۔ (تقریب التہذیب: ۷۹۱۹)

- اور زہری اور حمزہ: دونوں ثقہ اور امام درجے کے راوی ہیں۔

التخریج:

اسے بیہقی نے السنن الکبریٰ (۱۶۷۰۶) میں یعقوب بن سفیان کے طریق سے، جو حجاج بن ابی منیع سے ہے، روایت کیا ہے، اور تمار کے طریق سے بھی اسے روایت کیا ہے، مگر تیسرے طریق یعنی ابوصالح کاتب لیث کے طریق کا ذکر نہیں کیا۔

اور اسے حاکم نے المستدرک (۲۲۷۳) اور (۴۵۹۸) میں روایت کیا، اور ان کے طریق سے بیہقی نے السنن الکبری (۱۶۷۰۶) میں روایت کیا۔انہوں نے کہا: ہمیں ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الصفار نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن مہدی بن رستم نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن شعیب بن ابی حمزہ القرشی نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے زہری سے، اس کے مختصر الفاظ کے ساتھ روایت کی، جس میں یہ قول نہیں ہے: [حمزہ نے کہا: تو ہم نے ان سے پوچھا: آپ کس کو باغی گروہ سمجھتے ہیں؟ ابن عمر نے کہا: ابن زبیر نے۔۔۔] اور یہ سند صحیح ہے۔اور بیہقی نے دونوں طریقوں (یعقوب کا طریق اور حاکم کا طریق) کو ایک روایت میں جمع کر دیا، تو معنی مکمل ہو گیا اور واقعہ واضح ہو گیا۔

اور یہ خبر اِتحاف المہرہ (۹۴۳۱) میں بھی موجود ہے، اور مؤلف نے اسے مستدرک حاکم کی طرف منسوب کیا ہے۔

حاکم نے کہا: یہ حدیث شیخین (بخاری ومسلم) کی شرط پر صحیح ہے، لیکن انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ اور ذہبی نے ان کی موافقت کی۔

اور حاکم نے دوسرے مقام پر کہا: یہ ایک بڑا باب ہے جسے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تابعین کے بڑے گروہ نے روایت کیا ہے، لیکن میں نے شعیب بن ابی حمزہ عن الزہری کی روایت کو مقدم رکھا اور اسی پر اکتفا کیا، کیونکہ وہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ اور ذہبی نے ان کی موافقت کی۔ میں (فواز) کہتا ہوں: بشر بن شعیب کی روایت مسلم نے نقل نہیں کی۔

اور اس کا قول [هَذَا بَابٌ كَبِيرٌ..] یعنی یہ ایک بڑا باب ہے۔۔۔، اس سے مراد وہ روایات ہیں جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اہلِ صفین سے قتال نہ کرنے پر ندامت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اور اس کا جواب تھوڑی دیر بعد پیش کیا جائے گا۔

الصَّفَّارُ کے بارے میں امام ذہبی نے فرمایا: **الشَّيْخُ الإِمَامُ الْمُحَدِّثُ الْقُدْوَةُ أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بنُ عَبْدِ اللهِ بنِ أَحْمَدَ الأَصْبَهَانِيُّ، الصَّفَّارِ الزَّاهِدُ**۔ اور ابوالحسن السلیمانی نے فرمایا: حافظ کبیر، مصنف، اور عابد زاہد، حسن السیرت۔ حوالہ جات: سیر اعلام النبلاء (۱۵/ ۴۳۷)، رجال الحاکم فی المستدرک (۱۳۷۶)، الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم (۹۲۹)۔

حاکم نے یہ خبر پہلی بار سورۃ الحجرات کی تفسیر میں ذکر کی، پھر اسے دوسری بار باب: [**ذِكْرِ بَيْعَةِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضوانُ اللهِ عليه**] میں دہرایا۔ یہ عنوان مطبوعہ نسخے سے ساقط ہے، لیکن دار التاصیل کے نسخے میں یہ باب درج ہے (۵/ ۳۱۰)۔

چنانچہ حاکم نے اسے ''بیعتِ علی رضی اللہ عنہ'' کے تحت ذکر کیا، اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول: «ما وجدتُ في نفسي...» کو فتنۂ صفین پر منطبق کیا۔ پھر اس روایت کے بعد کہا: [**هَذَا بَابٌ كَبِيرٌ، قَدْ رَوَاهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ جَمَاعَةٌ مِنْ كِبَارِ التَّابِعِينَ...**] **اس پر دو باتوں سے جواب دیا جائے گا۔**

- اوّلاً: اگر حاکم واقعاً اس بابِ کبیر پر مطلع تھے، تو انہوں نے اس کو معاملۂ صفین پر کیسے

منطبق کر دیا؟ حالانکہ یہ روایت اپنے تمام الفاظ کے ساتھ واضح کرتی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں فتنے سے مراد ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کا فتنہ لیا تھا، نہ کہ صفین کا! اور اسی نکتہ پر حاکم کے شاگرد امام بیہقی متوجہ ہوئے، چنانچہ انہوں نے اپنے شیخ حاکم کی روایت کو یعقوب بن سفیان کی روایت کے ساتھ جمع کیا تاکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مقصود واضح ہو جائے۔

- ثانیاً: حاکم نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے تابعین کے ایک بڑے گروہ نے نقل کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح (حدیث: ۴۲۴۳) میں۔ اور حوالہ نمبر [۱۷۳] بھی ملاحظہ ہو۔ نافع کے واسطے سے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے، جس میں آیا ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے فتنے کے زمانے میں دو آدمی ابن عمر کے پاس آئے۔۔۔ پھر سارا واقعہ بیان ہوا۔ یہ صراحتاً اس بات کی تردید ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مراد فتنے سے واقعہ صفین تھا۔ بلکہ یہ خبر خود ظاہر کرتی ہے کہ ان کی مراد فتنے سے فتنۂ ابن زبیر رضی اللہ عنہ تھا۔ اور نافع، جن سے یہ روایت ہے، کبار تابعین میں سے ہیں؛ (لہٰذا حاکم کا یہ کہنا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آیت کو واقعۂ صفین پر منطبق کیا صحیح نہیں)۔

[اصل یہ خبر شعیب بن ابی حمزہ کی اُس نسخہ حدیث سے ہے جسے اُن کا بیٹا بشر روایت کرتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے حاکم کی روایت براہِ راست شعیب کے نسخے سے نقل کی ہے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ ابن حجر کے پاس خود اس نسخے کی ایک نقل موجود تھی۔ حوالہ: المعجم المفہرس (ص ۱۰۱۷) میں اس کی صراحت موجود ہے۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا: اور شعیب بن ابی حمزہ کی اُس روایت میں جو انہوں نے زہری سے، انہوں نے حمزہ بن عبداللہ بن عمر سے، اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کی ہے، اُس میں اُس شخص کا واقعہ مذکور ہے جس نے ابن عمر سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں سوال کیا: ﴿وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا﴾ [الآية]، تو ابن عمر نے کہا: "میں نے اپنی جان میں اس امت کے کسی معاملے میں اتنی شدت سے افسوس محسوس نہیں کیا جتنا اس بات پر کیا کہ میں نے اس باغی گروہ سے اس طرح قتال نہ کیا جیسا کہ اللہ نے حکم دیا تھا۔ اور یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں زہری سے ایک دوسرے طریق سے اس پر درج ذیل اضافہ کیا: حمزہ نے کہا: ہم نے ابن عمر سے پوچھا: آپ کس گروہ کو باغی سمجھتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: ابن زبیر نے ان لوگوں پر۔ (یعنی بنوامیہ پر)۔ بغاوت کی، انہیں ان کے گھروں سے نکالا

اوران کے ساتھ کیا ہوا عہد توڑ دیا۔]

نوٹ:

بیشک یہ خبر تاریخ دمشق کی ایک مخطوطہ اور مطبوعہ نسخے میں اپنے اصل مقام سے منتقل ہو گئی ہے، اور محقق نے اس پر تنبیہ بھی کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل مقام وہ صفحہ ہے جو خبر حرملہ بن یحییٰ سے پہلے اور [فَالْحَقِّ بِضَيْعَتِكَ] کے قول کے بعد واقع ہے۔ مزید تفصیل کے لیے خبر حرملہ کو دیکھیے: [۱۷۲]۔ انتھی!

یعنی: ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے یزید کے پیروکاروں کو مکہ سے نکال دیا تھا اور یزید کی بیعت تسلیم نہیں کی تھی۔

اور یہ واقعہ پرانا ہے، یہ یزید بن معاویہ کی خلافت کے زمانے (۶۰ھ-۶۴ھ) کا ہے، اور اس پر دلیل ہے:

[۱۷۲] اور جو حرملہ بن یحییٰ [1] نے اپنی روایت میں - جیسا کہ تاریخِ دمشق میں مذکور ہے - بیان کیا: ہم سے عبد اللہ بن وہب نے بیان کیا، انہوں نے کہا: مجھے حیوۃ بن شُریح نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے بکر بن عمرو نے خبر دی کہ بُکیر بن الاشج نے نافع سے اور انہوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی: ایک شخص عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابو عبد الرحمن! آپ ہر سال ایک بار حج کرتے ہیں اور دوسرے سال عمرہ، اور اللہ کے راستے میں جہاد کو چھوڑے ہوئے ہیں، حالانکہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے بارے میں کتنا اجر مقرر کیا ہے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان، پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے، زکوٰۃ کی ادائیگی اور بیت اللہ کا حج۔ اس شخص نے کہا: اے ابو عبد الرحمن! کیا آپ اللہ

تعالیٰ کی اس آیت کو نہیں سنتے ؟ ﴿وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ، فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ﴾(۲) (یعنی: اگر اہلِ ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے)۔تو پھر آپ اللہ کے حکم کے مطابق باغی گروہ سے قتال کیوں نہیں کرتے ؟ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! میرے لیے اس آیت پر عمل کرتے ہوئے قتال نہ کرنا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اس آیت پر عمل کرتے ہوئے قتال میں شریک ہوں، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾(۳) (یعنی: اور جو کوئی کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے)۔اس نے پھر کہا: کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ﴾(۴) (یعنی: اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین مکمل طور پر اللہ ہی کے لیے ہو جائے)۔ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ہم نے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں کیا تھا جب اہلِ اسلام بہت تھوڑے تھے، اور اس وقت ایک شخص کو اس کے دین کے باعث فتنہ میں ڈالا جاتا، یا تو وہ اسے قتل کر دیتے یا غلام بنا لیتے، یہاں تک (۵) کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور فتنہ موقوف ہو گیا۔راوی کہتا ہے: جب اس شخص نے دیکھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نہ تو اس کی بات سے متفق ہیں اور نہ اس مقصد سے جس کے لیے وہ آیا تھا(۶)، تو اس نے سوال کیا: علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا:

’’جہاں تک عثمان رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرما دیا، اور تم نے اسے ناپسند کیا کہ اللہ درگزر کرے۔ اور علی رضی اللہ عنہ، وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی، محبوب، اہلِ بیت میں سے، اور آپ ﷺ کی بیٹی کے شوہر ہیں(۷)۔ راوی کہتا ہے: پھر وہ شخص خاموش ہو گیا‘‘(۸)۔

---

(۱) حرملہ بن یحییٰ بن عبداللہ بن حرملہ بن عمران التجیبی، کنیت ابو حفص المصری، امام، فقیہ، محدث اور صدوق تھے۔ انہوں نے ابن وہب سے بہت کثرت سے روایت کی اور امام شافعی سے بھی روایت کی، ان کے ساتھ مستقل طور پر وابستہ رہے اور ان سے فقہ حاصل کی۔ یحییٰ بن معین نے کہا: حرملہ ابنِ وہب کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے شخص تھے۔ ان کی وفات ۲۴۳ ہجری میں ہوئی۔ (مأخذ: سیر اعلام النبلاء ۱۱/۳۸۹)۔ ابن حجر نے انہیں صدوق قرار دیا ہے اور لکھا: (م س ق)، یعنی ان سے مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ (ماخذ: التقریب، ترجمہ نمبر ۱۱۷۵)۔

(۲) [الحجرات:۹]۔

(۳) [النساء:۹۳]۔

(۴) [البقرۃ:۱۹۳]۔

(۵) مطبوعہ نسخے میں (فَلَمَّا) کا لفظ ہے، لیکن صحیح البخاری میں جو اصل روایت آئی ہے، وہاں اس لفظ کی جگہ کوئی اور یا کوئی تصحیح شدہ لفظ ہے۔

(۶) مطبوعہ نسخے میں ہے: [پھر جب اُس نے دیکھا کہ میں اس بات میں اس کی موافقت نہیں کرتا جو وہ چاہتا ہے۔۔۔] اور یہ عبارت صحیح البخاری سے ثابت ہے۔

(۷) بخاری کا لفظ یہ ہے: ’’اور علی رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں، اور آپ کے داماد بھی ہیں۔‘‘ پھر (ابن عمرؓ نے) اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ’’یہ ان کا گھر ہے، جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔‘‘ جملہ ’’داماد ہیں‘‘ کا مطلب ہے: نبی کریم ﷺ کی بیٹی کے شوہر ہیں۔ اور ’’یہ ان کا گھر ہے، جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گھر نبی ﷺ کے گھروں کے درمیان واقع تھا۔ (ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کے ذریعے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نبی ﷺ سے جسمانی قربت اور گھریلو قرابت کو واضح کرنا چاہتے تھے‘‘۔ یعنی وہ مقام ومرتبے کے لحاظ سے بھی قریب تھے اور مکان ورہائش کے اعتبار سے بھی)۔

(۸) تاریخ دمشق (۳۱/۱۹۲) میں یہ روایت صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ عبداللہ بن وہب: یہ ابو محمد المصری الفقیہ ہیں، اور بُکَر بن عمرو: یہ معافری المصری ہیں، اور بُکَیر: یہ ابن عبداللہ بن الاشجّ القرشی المدنی ہیں۔ یہ روایت ابن عساکر نے ’’حرملہ عن ابن وہب‘‘ کی نقل کردہ نسخہ سے روایت کی ہے۔ مراجعت کے لیے دیکھیے: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۲/۷۷۲)۔

التخریج:

یہ روایت امام بخاری نے اپنی صحیح میں دو مقامات پر ذکر فرمائی ہے: (۴۲۴۳) پر معلقاً بیان کیا: عن عثمان بن صالح السہمی، عن عبداللہ بن وہب المصری اور (۴۳۷۳) پر موصولاً بیان کیا: عن الحسن بن عبدالعزیز الجروی، عن عبداللہ بن یحییٰ المعافری

البر اُسی، اور یہ دونوں حَیْوَۃ کے واسطے سے اسی حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ نیز، امام بخاری نے اس سے قبل ایک اور خبر ذکر فرمائی، پھر اس خبر کو بعد میں ذکر کیا۔ مزید وضاحت کے لیے دیکھیے اگلا نمبر: [۱۷۳]۔

✔ حدیث سے استدلال کا پہلو سائل کے اس قول سے واضح ہوتا ہے: (فَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ تُقَاتِلَ الْفِئَةَ الْبَاغِيَةَ كَمَا أَمَرَ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ)، یعنی: تمھیں کیا چیز روکتی ہے کہ اللہ کی کتاب میں جس طرح حکم دیا گیا ہے، تم باغی گروہ سے قتال نہیں کرتے؟ سائل کی مراد فئۃ باغیہ سے خلیفہ یزید بن معاویہ کا لشکر تھا جو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے لڑ رہا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اسی سائل نے حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی سوال کیا، جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ خارجی تھا۔ ابن حجر نے کہا ہے: اس کا یہ قول: فَمَا قَوْلُكَ فِي عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ؟، اس بات کی تائید کرتا ہے کہ سائل خوارج میں سے تھا(۱)۔ خوارج بنو اُمیہ کے ساتھ قتال نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے خلاف تھے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ خوارج نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کر مکہ مکرمہ میں حُصین بن نمیر السکونی کی قیادت میں یزید بن معاویہ کے بھیجے گئے لشکر سے جنگ کی۔ یہ جنگ ۶۴ ہجری میں پیش آئی اور دو ماہ سے زائد جاری رہی، یہاں تک کہ یزید کی وفات ہوگئی اور شامی لشکر مکہ(۲) سے واپس چلا گیا۔ پھر جب خوارج کو یہ علم ہوا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی خوبیاں بیان کرتے ہیں(۳)، تو وہ عبداللہ بن زبیر سے الگ ہوگئے۔

---

(۱) فتح الباری (۸/۳۱۰)۔
(۲) تاریخ الطبری (۳/۳۹۷)۔
(۳) تاریخ الطبری (۳/۳۹۷)

پس خوارج نے صرف ۶۴ ہجری میں خلافتِ یزید کے زمانے میں مکہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر قتال کیا، اور یہی وہ وقت تھا جب ایک خارجی آیا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر قتال کرنے کی دعوت دی، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی دعوت کو قبول نہ کیا۔

پھر جب یزید کا انتقال ہوا - اور وہ بھی اسی سال ہوا یعنی ۶۴ ہجری - تو خوارج، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے جدا ہو گئے اور اس کے بعد انہوں نے ان کے ساتھ قتال نہیں کیا، بلکہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ ہی نے ان سے قتال کیا اور ۶۵ ہجری میں ان کے سردار نافع بن الازرق کو قتل کر دیا(۱)۔

---

(۱) تاریخ الطبری (۳/ ۴۲۵)

[۱۷۳] اور امام بخاری نے اس روایت سے پہلے یہ حدیث بیان کی ہے: محمد بن بشار نے ہمیں حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے عبیداللہ سے، انہوں نے نافع سے، اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے دور کی فتنہ انگیزی کے وقت(۱) دو آدمی ان کے پاس آئے اور کہنے لگے: لوگ (جہاد وقتال میں) شریک ہو رہے ہیں، اور آپ ابن عمر ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں، تو آپ کو کس چیز نے روکا ہے کہ آپ (ان کے ساتھ) نہ نکلیں؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: مجھے اس بات نے روکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی کا خون حرام قرار دیا ہے۔ ان دونوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں ہے: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾(۲) (یعنی: اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے)؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب

دیا: ''ہم نے (پہلے ہی) قتال کیا یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہا، اور دین اللہ ہی کا ہو گیا تھا، اور تم لوگ اب چاہتے ہو کہ قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ پیدا ہو جائے، اور دین اللہ کے سوا کسی اور کا ہو جائے!''

پھر امام بخاری نے فرمایا: [اور (اس روایت میں) عثمان بن صالح نے ابن وہب سے (اضافہ) نقل کیا۔۔۔][۳] پس انہوں نے پچھلی روایت کو ہی ذکر کیا۔[۴]

اور یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی جانب سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں واقعات ایک ہی زمانے میں پیش آئے، اور وہ زمانہ یزید بن معاویہ کی خلافت کا دور تھا۔

اور اسی پر محمول ہے وہ تحریر (رسالت) بھی جو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجی تھی، کیونکہ وہ یزید بن معاویہ کی خلافت کے زمانے میں، واقعۂ حرّہ کے بعد، سنہ ۶۳ ہجری میں لکھی گئی تھی،،،

---

(۱) ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱۸۴/۸) میں فرمایا: اس کے قول (یعنی فتنۂ ابن زبیر) کے بارے میں، سعید بن منصور کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس سال پیش آیا جب حجّاج نے ابن زبیر کا محاصرہ کیا تھا، پس مراد فتنۂ ابن زبیر سے وہ فتنہ ہے جو اُن کے آخری زمانے میں پیش آیا، یعنی جب حجاج نے مکہ مکرمہ میں ابن زبیر سے قتال کے لیے نزول کیا، اور یہ ۷۳ ہجری کے اواخر کا واقعہ ہے۔ یہ ابن حجر کا قول ہے، اور خاص اس حدیث کے بارے میں یہ احتمال موجود ہے۔ لیکن امام بخاری نے اس کے بعد وہ حدیث بھی ذکر کی ہے جس میں ایک خارجی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، تو اگر دونوں واقعات مختلف زمانوں میں پیش آئے ہوں تو کوئی اشکال نہیں، لیکن اگر دونوں ایک ہی وقت میں پیش آئے ہوں تو پھر اس قول (یعنی فتنۂ ابن زبیر سے مراد حجاج کا محاصرہ) کی کوئی گنجائش نہیں، سوائے اس کے کہ مراد خلافتِ یزید کا زمانہ ہو جیسا کہ میں اس کی وجہ ابھی کچھ دیر پہلے ذکر کر چکا ہوں۔

(۲) [الانفال:۳۹]۔

(۳) صحیح البخاری (۴۲۴۳)

(۴) رقم [۱۷۲]

[۱۷۴] اسے یعقوب بن سفیان نے المعرفہ والتاریخ میں روایت کیا ہے- جیسا

کہ تاریخ دمشق میں منقول ہے-: انہوں نے کہا: ہمیں ابونعیم نے حدیث سنائی، انہوں نے اشُرَس بن صُہَیب (جو سعید بن عاص کے غلام تھے) سے روایت کیا، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے سالم بن عبداللہ سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا، جس میں فرمایا: ''بے شک تم لوگوں کی گردنوں پر بغیر مشورے (۱) کے مسلط کر دیے گئے ہو، لہٰذا وہ چیز چھوڑ دو جس میں تم پڑے ہوئے ہو، کیونکہ تم درحقیقت کسی چیز (یعنی حق خلافت) میں نہیں ہو (۲)۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول: بے شک تم لوگوں کی گردنوں پر بغیر مشورے کے مسلط کیے گئے ہو- کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ شوریٰ اور تمام اسلامی شہروں کے لوگوں نے یزید بن معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی، سوائے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے، جنہوں نے مکہ میں بیعت نہیں کی، کیونکہ مکہ ان کے زیرِ اثر تھا۔ اور یہ خط (جو ابن عمر نے ابن زبیر کو لکھا) اس بات کی دلیل ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے واقعۂ حرّہ کے بعد، سنہ ۶۳ ہجری میں، خلافتِ یزید کے دور میں، اپنے لیے بیعت لینا شروع کی تھی۔

---

(۱) بے شک تم لوگوں کی گردنوں پر بغیر مشورے کے مسلط ہو گئے ہو۔

(۲) تاریخ دمشق (۱۹۱/۳۱) میں یہ روایت موجود ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ راوی ابونعیم سے مراد فضل بن دکین ہیں، جبکہ سالم بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم کے صاحبزادے ہیں۔ روایت میں مذکور اُشرس بن صہیب کے بارے میں محدثین کے اقوال موجود ہیں: امام ابوحاتم رازی نے فرمایا کہ یہ اُشرس بن عبید بن صہیب ہیں، کوفی اور معتبر شیخ ہیں۔ امام یحییٰ بن معین سے دو طرح کی روایت منقول ہے؛ ایک میں انہوں نے انہیں ثقہ کہا ہے اور دوسری روایت میں صالح یعنی معتبر قرار دیا ہے۔ ابن قلوبغا نے نقل کیا ہے کہ امام عجلی نے ان کو ثقہ، عبادت گزار کہا ہے، اور امام یعقوب بن سفیان نے بھی انہیں ثقہ قرار دیا۔ اسی طرح ابن حبان اور ابن شاہین نے اپنی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کا تذکرہ متعدد کتبِ رجال میں موجود ہے، جن میں التاریخ الکبیر (جس میں لکھا ہے کہ ان کی حدیث بصریوں میں شمار ہوتی ہے اور اس پر سکوت کیا گیا)، الجرح والتعدیل، الثقات، المعرفہ والتاریخ، تاریخ الدوري، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة، اور التذييل

علی کتب الجرح و التعدیل شامل ہیں۔علاوہ ازیں،موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے۔(ان تمام حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اشرس بن صہیب ثقہ اور قابلِ اعتماد راوی تھے،اور ان کی روایت معتبر ہے)۔

التخریج (مراجع):

یہ خبر مختصر تاریخ دمشق از ابن منظور (۱۷۹/۱۳) میں موجود ہے۔نیز ملاحظہ ہو: انساب الاشراف (۳۴۵/۵)۔

تیسرا موقف:

یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا آخری مؤقف تھا- کہ وہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک شرعی خلیفہ سمجھتے تھے، اور مروان بن حکم اور عبدالملک بن مروان کو ان پر چڑھائی کرنے والا (یعنی باغی) قرار دیتے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب انہوں نے دیکھا کہ یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد امت کا اتفاق ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر ہو گیا ہے، اور بنو امیہ خلافت پر ان سے جنگ کر رہے ہیں۔ اس مؤقف پر دلالت کرنے والی بات درج ذیل ہے:

اس پر دلالت کرنے والی بات یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا: (''۔۔۔اور میں نے اس باغی گروہ سے قتال نہیں کیا جو ہم پر نازل ہوا تھا۔'' (ان کا اشارہ حجاج کی طرف تھا(۱))۔ ایک اور روایت میں ہے: (جب حجاج (مدینہ سے) نکلا تو ابن عمر نے فرمایا: دنیا سے مجھے اگر کسی چیز کا افسوس ہے تو تین باتوں کا ہے: دوپہر کی شدت میں پیاسا رہنے کا (یعنی روزوں کا شوق)، رات کی مشقت (یعنی قیام اللیل)، اور یہ کہ میں نے اس باغی گروہ سے قتال نہیں کیا جو ہم پر مسلط ہوا۔(۲)) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ عبدالملک بن مروان کو امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف باغی سمجھتے تھے، کیونکہ عبدالملک ہی وہ شخص تھا جس نے حجاج بن یوسف کو بھیجا تھا۔ اور چونکہ حجاج کی مدینہ پر یلغار ابن عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری دور (۷۳ ہجری) میں ہوئی، تو یہ قول ابن عمر رضی

اللہ عنہ کا آخری مؤقف شمار ہوتا ہے، اور انہوں نے یہ بات اپنے وقتِ نزع (یعنی وفات کے وقت) کہی تھی، جوسنہ ۷۳ ہجری میں پیش آئی۔

جیسا کہ گزرا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالملک بن مروان اور اس کے لشکر کے بارے میں فرمایا تھا: (میں ان کے لیے کوئی تعریف نہیں رکھتا) (یعنی: **ما أنا لهم بحامد**)۔ یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ عبدالملک بن مروان کو امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف باغی سمجھتے تھے[۳]۔

اور جب امیر المؤمنین ابن زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو امت کا اجماع عبد الملک بن مروان پر ہو گیا؛ چنانچہ خلافت اُس کی طرف منتقل ہو گئی، اور اس اجتماعِ امت کے بعد ہی ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالملک بن مروان کی بیعت کی۔

---

(۱) دیکھو، رقم: [۱۶۱]۔
(۲) دیکھو، رقم [۱۶۰]۔
(۳) دیکھو صفحہ (۲۶۱)

عبداللہ بن دینار روایت کرتے ہیں کہ جب لوگوں نے عبدالملک بن مروان کی بیعت کر لی، تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے ایک خط لکھا، جس میں انہوں نے فرمایا: (عبداللہ بن عبدالملک، امیر المؤمنین کی خدمت میں! میں سننے اور اطاعت کرنے کا اقرار کرتا ہوں - اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق، جہاں تک میری استطاعت ہو۔ اور میرے بیٹوں نے بھی اسی بات کا اقرار کیا ہے۔[۱]) اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالملک کی بیعت امت کے اجماع کے بعد کی، اور اسے خلیفۂ شرعی مانا۔

ابن دینار کے قول (لَمَّا بَايَعَ النَّاسُ عَبْدَ الْمَلِكِ) (جب لوگوں نے عبدالملک

کی بیعت کی) کا مطلب یہ ہے کہ جب تمام اسلامی شہروں (امصار) کا اتفاق عبدالملک پر ہو گیا۔اس کی تائید اسی خبر کے ایک دوسرے لفظ سے بھی ہوتی ہے، ،،(جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مراد امت کا اجتماع ہے، نہ کہ صرف چند افراد کی بیعت)

عبداللہ بن دینار کہتے ہیں: (میں اُس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا جب لوگ عبدالملک پر مجتمع ہو گئے (یعنی امت کا اجماع ہو گیا)، تو انہوں نے فرمایا: میں نے (عبدالملک کو) خط لکھا۔۔۔) پھر انہوں نے (پچھلی بات) ذکر کی (۲)۔

یہ خبر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالملک بن مروان کی بیعت نہیں کی تھی -مگر امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد، کیونکہ اسلامی شہروں (امصار) نے بھی عبدالملک پر اجتماع اسی وقت کیا جب ابن زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہو چکے تھے۔

---

(۱) یہ روایت صحیح بخاری میں حدیث نمبر ۶۷۷۹ پر موجود ہے، اور یہ اسی سند کے ساتھ آگے حدیث نمبر [۶۲۱] کے تحت بھی آئے گی۔

(۲) یہ روایت صحیح بخاری میں حدیث نمبر ۶۷۷۷ پر موجود ہے، اور یہی روایت اپنی مکمل سند اور تمام تفصیل کے ساتھ آگے حدیث نمبر [۶۲۲] میں بھی آئے گی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے: کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو یزید بن معاویہ کے خلاف باغی سمجھتے تھے۔مگر جب یزید کی وفات کے بعد امت کا اجماع ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر ہوا، تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مروان بن حکم اور اس کے بیٹے عبدالملک بن مروان کو امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف باغی قرار دیا۔تاہم اس کے باوجود وہ ان کے درمیان جاری قتال (خانہ جنگی) سے راضی نہیں تھے۔

● **ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے قتال کے بارے میں سائلین کو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے جوابات:**

کئی سائلین (فتویٰ طلب کرنے والے) ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت جاری قتال کے بارے میں سوال کیا۔ یہ سائلین دو مختلف مواقع پر آئے، یعنی ان کی آمد دو مرحلوں میں ہوئی:

پہلا مرحلہ: اس میں بعض لوگ یزید بن معاویہ کی خلافت کے زمانے میں، واقعۂ حرّہ کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور ان سے قتال کے بارے میں فتویٰ طلب کیا۔ اس واقعے کی تفصیل گزر چکی ہے(۱)۔

دوسرا مرحلہ: اس میں ایک شخص اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جب ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہو چکی تھی، اور مروان بن حکم اور اس کا بیٹا عبدالملک بن مروان ان سے قتال کر رہے تھے (جیسا کہ ابن حجر نے اس کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے)،،،

(!) دوسرے مرحلے کا یہ واقعہ ان روایات [۱۷۱]، [۱۷۲] اور [۱۷۳] میں مذکور ہے

[۱۷۵] امام بخاری نے روایت بیان کی ہے کہ سعید بن جبیر کہتے ہیں: ہمارے پاس عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، تو ہم نے امید کی کہ وہ ہمیں کوئی اچھی حدیث سنائیں گے۔ اتنے میں ایک شخص نے جلدی کرتے ہوئے ان سے سوال کرلیا(۱): اے ابوعبدالرحمن! ہمیں فتنے کے بارے میں بتایئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ قَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾ (۲)۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کیا تم جانتے ہو فتنہ کیا ہے؟ تیری ماں تجھ پر روئے! فتنہ یہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکوں سے قتال

نہیں کرتے تھے، اوران کے دین میں داخل ہونا (یعنی دینِ اسلام سے پھر کر شرک کی طرف جانا) ہی فتنہ تھا۔ یہ فتنہ اس قتال کی طرح نہیں جو تم بادشاہت [۳] کے لیے کر رہے ہو [۴]۔

(۱) بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ اس شخص کا نام حَکیم تھا۔

(۲) [الانفال:۳۹]۔

(۳) ابن حجر فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ قتال ہے جو مروان، پھر اس کے بیٹے عبدالملک اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے درمیان پیش آیا، اور اسی جیسے دیگر واقعات مراد ہیں۔ (فتح الباری ۷/۴/۱۳)۔

(۴) یہ روایت صحیح بخاری (حدیث نمبر: ۶۶۸۲) میں کتاب الفتن، باب: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: فتنہ مشرق کی طرف سے آئے گا کے تحت مذکور ہے۔ اس روایت میں مذکور راوی: خالد: وہ خالد بن عبداللہ واسطی ہیں۔ بیان: وہ بیان بن بشر احمسی ہیں۔

التخریج:

اس روایت کو بخاری نے (حدیث نمبر ۴۷۴۳) اور بیہقی نے السنن الکبری (حدیث نمبر ۱۶۸۰۷) میں روایت کیا ہے، احمد بن عبداللہ بن یونس، نے زہیر بن معاویہ الجعفی سے، اور انہوں نے بیان سے - اسی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔ مزید دیکھیں: فتح الباری (۷/۴/۱۳)۔

میں نے حاشیے میں ذکر کیا ہے کہ ابن حجر کا رجحان اس طرف ہے کہ اس شخص نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال اس وقت کیا تھا جب ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم تھی اور وہ مروان اور عبدالملک سے برسرِ جنگ تھے۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واقعے کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ یزید بن معاویہ کی خلافت کے زمانے میں پیش آیا تھا، کیونکہ انہوں نے اس حدیث [۱] کو (کتاب الفتن کے اس باب میں بیان کیا: باب: ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان کہ فتنہ مشرق کی طرف سے آئے گا'')، اور اس حدیث سے پہلے وہ تین احادیث لا چکے تھے جو سب کی سب اس فتنے کے بارے میں تھیں جو نجد یعنی مشرق کی جانب سے نکلے گا، اور جس کے ساتھ شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث (کیا تم جانتے ہو فتنہ کیا ہے؟ تیری ماں تجھ پر روئے!) کو اس باب میں روایت کرنے کی مناسبت یہ ہے کہ وہ یہ واضح کرنا چاہتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کرنے والا شخص دراصل عراق کا ایک خارجی تھا، جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کو یزید بن معاویہ کے خلاف لڑنے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی حمایت پر آمادہ کرنے آیا تھا(۲)۔ یعنی امام بخاری کا مقصد یہ بتانا تھا کہ مشرق سے مراد وہی نجدِ عراق ہے جہاں خوارج کا فتنہ ظاہر ہوا، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے مشرق میں واقع فتنے کی تفسیر خوارج کے فتنے سے کی ہے۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سعید بن جبیر نے کہا: (تو ہم سے ایک شخص جلدی سے آگے بڑھا اور کہنے لگا: اے ابو عبدالرحمن!) یہ بخاری کا لفظ ہے، جو پہلے گزر چکا ہے۔ جبکہ امام احمد کی روایت میں الفاظ یوں ہیں: (ہم سے ایک شخص آگے بڑھا، جس کا نام حکم تھا، اس نے کہا: اے ابو عبدالرحمن! آپ فتنے کے وقت قتال کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟(۳)) اور یہ بات معلوم ہے کہ سعید بن جبیر خود کوفی اور اہلِ عراق میں سے تھے، لہٰذا جب انہوں نے اس شخص کو ''مِنَّا'' (ہم میں سے) کہا، تو اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ شخص بھی اہلِ عراق میں سے تھا۔

---

(۱) یعنی وہی واقعہ جو تھوڑا پہلے حدیث نمبر [۱۷۵] کے تحت گزر چکا ہے۔

(۲) اس سے پہلے صفحہ (۲۶۷) پر یہ بات گزر چکی ہے کہ خوارج نے سنہ ۶۴ھ میں مکہ مکرمہ میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر یزید بن معاویہ کے خلاف قتال کیا تھا۔

(۳) یہ روایت مسند احمد (حدیث نمبر ۵۳۸۱) میں موجود ہے، اور اسے شیخ شعیب الارناؤوط نے صحیح قرار دیا ہے۔

اور حمزہ بن عبداللہ بن عمر کا وہ قول پہلے گزر چکا ہے، جس میں انہوں نے کہا: جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ بیٹھے تھے، تو ایک شخص اہلِ عراق میں سے ان

کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابوعبدالرحمن!۔۔۔)[۱] پھر روایت اسی مفہوم کے ساتھ مذکور ہے۔ چاہے ہم ان دونوں روایات کو ایک ہی واقعہ پر محمول کریں یا دو الگ الگ واقعات پر، بہرحال سوال کرنے والے دونوں افراد اہلِ عراق میں سے تھے اور اسی ذہنیت کے حامل تھے-یعنی خوارج، جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کو قتال پر آمادہ کرنے کے لیے آئے تھے۔

اور نافع کا وہ قول بھی گزر چکا ہے جو انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ (ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابوعبدالرحمن!) پھر خبر اسی مفہوم کے ساتھ ذکر کی۔ نافع کہتے ہیں: جب اس شخص نے دیکھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کی بات سے متفق نہیں ہو رہے، تو اس نے رخ بدل کر کہا: (پھر آپ علی اور عثمان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میں علی اور عثمان کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ رہا معاملہ عثمان کا، تو اللہ نے ان کو معاف کر دیا، اور تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ ان کو معاف کرے۔ اور رہا معاملہ علی کا، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد تھے''- یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا- اور یہ ان کی بیٹی ہے، یا فرمایا: یہ بیٹی ہے، دیکھ لو، جہاں بیٹھی ہے)[۲]۔

---

(۱) دیکھو: [۱۷۱]۔

(۲) اس روایت کو امام بخاری نے حدیث نمبر (۴۶۵۰) میں بیان کیا ہے، کتاب تفسیر القرآن، باب: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ﴾ [الانفال:۳۹] کے تحت۔ اور یہ روایت اس سے پہلے حدیث نمبر [۱۷۲] کے تحت بھی گزر چکی ہے، جو حرملہ بن یحییٰ کی روایت (کے نسخے) سے تھی۔

ابن حجر نے فرمایا: (اور رہا یہ قول: تو علی اور عثمان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ تو یہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ سوال کرنے والا خوارج میں سے تھا)[۱]۔

اس باب کی خبر (۲) کوامام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ایک اورمرتبہ بھی ذکرکیا ہے، مگرکسی اور کتاب اور باب کے تحت۔اس مقام پر نافع کی وہ روایت بھی موجود ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں:توعلی اورعثمان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے گویا امام بخاری اس اشارے کی طرف مائل ہیں کہ یہ سوال کرنے والے لوگ خوارج میں سے تھے۔

---

(۱) فتح الباری (۸/۳۱۰)۔(۲) یہی روایت اس سے پہلے حدیث نمبر[۱۷۵] کے تحت گزر چکی ہے۔

اورامام بخاری کا جوموقف ہے، وہی درست ہے۔اسی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام وہ لوگ جوابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس فتویٰ لینے آئے، وہ یزید بن معاویہ کے دورِخلافت میں آئے تھے، اور- جہاں تک مجھے علم ہے- مروان اورعبدالملک کے زمانے میں ان میں سے کوئی بھی ان کے پاس نہیں آیا۔

- ان لوگوں کے بارے میں ان (ابن عمر رضی اللہ عنہما) کا موقف واضح تھا جوامیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پرطعن کرتے تھے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نہ صرف یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ ہی حق پر تھے، بلکہ وہ ان کی تعریف بھی کیا کرتے تھے، ان کے فضائل کا تذکرہ کرتے تھے،اور جولوگ ان کی تنقیص کرتے تھے،اُن کا رد بھی کیا کرتے تھے۔

[۱۷۶] امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ سعد بن عبیدہ کہتے ہیں: ایک شخص ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اورحضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا،توآپ نے ان کے نیک اعمال کا تذکرہ کیا۔اس پرابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا(۱): ''شاید یہ بات تجھے ناگوار گزری؟'' اس نے کہا: ہاں! تو

آپ نے فرمایا: ”اللہ تیری ناک خاک آلود کرے!“(۲) پھر اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے ان کے نیک اعمال بیان کیے اور فرمایا: ”وہ وہی ہیں جن کا گھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں سب سے درمیان میں تھا۔“(۳) پھر فرمایا: ”شاید یہ بات بھی تجھے بری لگ رہی ہے؟“ اس نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: ”اللہ تیری ناک خاک میں رگڑے! جاؤ، جو کچھ تم سے ہوسکتا ہے کر لو۔“(۴) (۵)

---

(۱) یہ کلمات عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہیں، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ سائل کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاسن کا تذکرہ پسند نہیں آیا۔

(۲) یعنی: اللہ تجھے برائی میں مبتلا کرے! اس جملے کا اشتقاق اس معنی سے ہے کہ کوئی شخص زمین پر گرے، یہاں تک کہ اس کا چہرہ مٹی میں لگ جائے، اور ”رغام“ سے مراد وہ گرد وغبار ہے جو زمین پر ہوتا ہے۔

(۳) یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں سب سے درمیان میں تھا یا مراد یہ ہے کہ سب سے بہتر تھا، اور اس سے ان کا اشارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقام ومرتبہ کی طرف تھا۔

(۴) یعنی: میرے بارے میں جو کچھ تم کر سکتے ہو، کر ڈالو! کیونکہ میں نے جو بات تم سے کہی ہے وہی حق ہے، اور جو حق کہتا ہے وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کے بارے میں باطل طریقے سے کیا کہا جا رہا ہے۔ اور عطا کی روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں: [تو اس شخص نے کہا: میں (علی رضی اللہ عنہ) سے بغض رکھتا ہوں۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھ سے بغض رکھے!]

(۵) صحیح بخاری (حدیث نمبر ۳۵۰۱) میں مذکور محمد بن رافع دراصل ابوعبداللہ القشیری نیشاپوری ہیں، جن کا پورا نام محمد بن رافع بن ابی زید ہے۔ اور حسین سے مراد حسین بن علی بن ولید جعفی ہیں۔ جبکہ زائدہ سے مراد زائدہ بن قدامہ ثقفی ہیں، اور ابو حصین سے مراد عثمان بن عاصم بن حصین اسدی ہیں۔

[۱۷۷] اور اس روایت کو امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن یعقوب بن اسماعیل نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہم سے ابنِ موسیٰ نے بیان کیا، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے عطا سے، اور عطا نے سعد بن عبیدہ سے روایت کیا: ایک شخص ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”علی کے بارے

میں سوال نہ کرو، بلکہ ان کے اس گھر کو دیکھو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں سے ایک ہے!'' اس پر اس شخص نے کہا: میں تو ان سے بغض رکھتا ہوں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ''اللہ تجھ سے بغض رکھے!''(۱)

(۱) السنن الکبریٰ (8438) میں مذکور اس روایت کی سند عطاء بن سائب کی وجہ سے حسن ہے، کیونکہ وہ صدوق ہیں، اگرچہ زندگی کے آخری حصے میں ان کا حافظہ مختلط ہو گیا تھا، تاہم اس روایت میں ان کی متابعت موجود ہے۔ باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ اور ابن موسیٰ سے مراد محمد بن موسیٰ بن اعین حرانی ہیں۔

[۱۷۸] اور اس روایت کو وکیع بن الجراح نے اپنی کتاب فضائل الصحابہ میں نقل کیا ہے، جیسا کہ تاریخِ دمشق میں مذکور ہے۔ انہوں نے بیان کیا: مجھ سے میرے والد (۱) نے بیان کیا، وہ عبد الاعلیٰ بن عامر ثعلبی (۲) سے، اور وہ سعد بن عبیدہ سے روایت کرتے ہیں: ایک شخص نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ علی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ میں تو ان سے بغض رکھتا ہوں۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اللہ تجھ سے بغض رکھے، کیونکہ میں بھی تجھ سے بغض رکھتا ہوں (۳)!''

(۱) جراح بن ملیح بن عدی رؤاسی، کنیت ابو وکیع کوفی ہے۔ ان کی توثیق ابو داود اور یعقوب بن سفیان نے کی ہے، اور نسائی نے فرمایا: ان میں کوئی حرج نہیں۔ بخاری نے کہا: صدوق تھے۔ اور امام ذہبی نے کہا: [وہ صدوق تھے، بعض نے ان کی توثیق کی ہے اور بعض نے ان پر کچھ نرمی سے کلام بھی کیا ہے۔] ذہبی مزید فرماتے ہیں: جنہوں نے ان پر کچھ کلام کیا ہے، وہ بھی اس حالت میں کہ وہ پہلے ہی موثق شمار ہوتے ہیں۔ (دیکھیں: سیر اعلام النبلاء ۶۲)۔

ابن سعد اور دارقطنی نے اُنہیں (ابو وکیع کوفی کو) ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے المجروحین میں لکھا ہے: وہ اسناد کو بدل دیا کرتے تھے اور مرسل احادیث کو مرفوع بنا دیتے تھے۔ ابو حاتم نے کہا: ان کی حدیث لکھی جائے گی، مگر اس سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔ اور ابن معین کا قول ان کے بارے میں مختلف منقول ہوا ہے۔

ابن عدی نے ان کی احادیث کا جائزہ لیا، پھر کہا: [ان کی بعض احادیث صالح (قابل قبول) ہیں، ان کی روایات درست اور سیدھی ہیں، ان کی حدیث میں کوئی حرج نہیں، وہ صدوق ہیں، اور میں نے ان کی کسی روایت میں ایسا منکر (قابل انکار) پہلو نہیں پایا کہ جسے ذکر کیا جائے۔ ان سے عام طور پر ان کا بیٹا وکیع روایت کرتا ہے، لیکن ان سے صرف وکیع ہی نہیں بلکہ دیگر ثقہ محدثین نے بھی روایت کی ہے۔] اور تحریر التقریب (۱/۲۱۱) میں ہے: [یہ شیخ مختلف فیہ ہیں، اس لیے ابن حجر نے ان کے بارے میں وہی انداز اختیار کیا جو وہ مختلف فیہ رواۃ کے بارے میں اختیار کرتے ہیں، یعنی کہا: صدوق، وہم کرتے تھے۔ اور ہمارے نزدیک وہ حسن الحدیث ہیں۔ پس ان

کے بارے میں ہمارا موقف وہی ہے جو بخاری، ابن عدی اور نسائی کا ہے۔]

(۲) یہ راوی کوفی ہے۔ ابن حجر نے اس کے بارے میں کہا: صدوق ہے، لیکن وہم (غلطی) کرتا ہے۔ اور ابن حبان نے فرمایا: وہ اُن لوگوں میں سے ہے جو غلطی کرتے ہیں اور روایتوں میں الٹ پھیر کر دیتے ہیں، اور یہ بات اس کی تھوڑی سی روایت میں بکثرت واقع ہوئی ہے، لہٰذا جب وہ کسی روایت میں منفرد ہو تو مجھے اس سے استدلال کرنا پسند نہیں۔ میں کہتا ہوں: اس سے پہلے والی روایت میں اسے عطاء بن السائب نے متابعت بھی دی ہے۔ اور ابن عدی نے کہا: [اس سے ثقہ راویوں نے روایت کی ہے، اور یہ سعید بن جبیر، ابن الحنفیہ اور ابوعبدالرحمن سُلمی سے ایسی باتیں روایت کرتا ہے جن پر اسے متابعت نہیں ملتی]۔ میں کہتا ہوں: یہ روایات ان میں سے کسی ایک سے بھی نہیں ہیں۔ (حوالہ جات: المجروحین ۲/۱۵۵، الکامل فی الضعفاء ۵/۳۱۶، التقریب رقم ۴۷۳۱)

(۳) تاریخ دمشق (۴۲/۴۱۴) میں مذکور یہ روایت اپنی سند کے اعتبار سے حسن لغیرہ ہے، سوائے اس جملے "فَإِنِّي أَبْغَضُكَ" (یعنی: میں تجھ سے بغض رکھتا ہوں) کے، کیونکہ یہ الفاظ عبدالاعلی بن عامر کی منفرد روایت ہیں۔ تاہم باقی روایت کو عطاء نے پچھلی حدیث میں روایت کر کے اس کی متابعت کر دی ہے۔ رہی بات کتاب فضائل الصحابہ کی، تو وہ ہم تک مکمل طور پر نہیں پہنچی۔ اس بارے میں مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۳/۱۸۳۹)۔

- **حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی جانب سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنی اپنی صف میں شامل کرنے اور انہیں ساتھ ملانے کی کوششوں کے بارے میں ان (ابن عمر رضی اللہ عنہما) کا موقف بھی واضح اور قابلِ غور ہے۔**

ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اسلام، فقہ اور علم میں ایک نمایاں مقام حاصل تھا، وہ خلیفہ کے بیٹے تھے اور عوام میں ان کی بڑی مقبولیت تھی۔ اسی وجہ سے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں نے انہیں اپنی اپنی صف میں شامل کرنے اور اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ان کے سامنے دنیاوی مفادات بھی پیش کیے۔ جن کے وہ واقعی اہل تھے۔ لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سب پیش کشوں کو ٹھکرا دیا اور فتنے سے کنارہ کشی کو اختیار کیا۔ نیز حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں اس بات سے محتاط تھے کہ کہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما دوسرے کے لشکر میں شامل نہ ہو جائیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے انہیں ساتھ ملانے کی کوشش بھی ہوئی۔

- **حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ساتھ ملانے کی**

کوشش:

[۱۷۹] امام ابو الطاہر محمد بن احمد بن عبد اللہ ذہلی (۱) نے اپنی فوائد میں- جیسا کہ تاریخِ دمشق میں منقول ہے- روایت نقل کی ہے: ہم سے محمد بن عبدوس (۲) نے بیان کیا، انہوں نے محمد بن ابی عمر العدنی (۳) سے، انہوں نے سفیان سے، وہ عمر بن نافع سے، اور وہ اپنے والد نافع سے، اور وہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مجھے پیغام بھیجا، تو میں ان کے پاس حاضر ہوا۔ انہوں نے فرمایا: اے ابو عبد الرحمٰن! تم شام کے لوگوں میں ایک مطاع (بات مانی جانے والی شخصیت) ہو، پس تم ان کی طرف چلو، میں نے تمہیں ان پر امیر مقرر کیا ہے۔ میں نے کہا: اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میری قرابت وصحبت کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اس ذمے داری سے معاف فرما دیجیے۔ لیکن انہوں نے انکار کیا۔ پھر میں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ان کے خلاف سفارش کروائی، مگر وہ پھر بھی نہ مانے۔ پس میں رات کو مکہ کی طرف نکل گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر دی گئی کہ میں شام کی طرف روانہ ہو گیا ہوں، تو انہوں نے میرے پیچھے آدمی بھیجے۔ تو آدمی (علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھیجا گیا) مِربد تک آتا (۴)، اور اپنی عمامہ سے اونٹ کو روکتا کہ شاید مجھے جا لے (۵)، تو حفصہ رضی اللہ عنہا نے پیغام بھجوایا: وہ شام کی طرف نہیں گیا، بلکہ مکہ کی طرف روانہ ہوا ہے۔ تب (علی رضی اللہ عنہ) [مطمئن ہو گئے (۶)]۔

---

(۱) وہ امام، عالم، مسند، اور محدث تھے، نیز قاضی القضاۃ (اعلیٰ درجے کے قاضی) بھی تھے۔ حدیث میں ثقہ شمار ہوتے تھے۔ (دیکھیں: سیر اعلام النبلاء ۱۶/۲۰۴)۔ ان کی توثیق خطیب بغدادی، ابن ماکولا اور دیگر ائمہ نے بھی کی ہے۔ ان کی تفصیلی سوانح اور اس کے مصادر کے لیے ملاحظہ کیجیے: الدليل المغني لشيوخ الدارقطني، صفحہ ۳۷۷۔

(۲) امام، حجت، حافظِ حدیث، محمد بن عبدوس بن کامل سراج، کنیت ابواحمد سلمی بغدادی، جو عبداللہ بن احمد بن حنبل کے قریبی دوست تھے۔ابوالحسین بن المنادی نے کہا: وہ حفظ اور حدیث کی معرفت میں شمار کے افراد میں سے تھے۔ان کی یادداشت اور معرفت کی عمدگی کی وجہ سے لوگوں نے ان سے کثرت سے روایت لی۔وہ عبداللہ بن احمد بن حنبل کے لیے گویا بھائی کی طرح تھے۔(مراجع: سیر اعلام النبلاء ۱۳/۵۳۱، تاریخ بغداد ۳/۱۸۶، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة ۸/۴۴۸)

(۳) امام، محدث، حافظِ حدیث، اور شیخ الحرم، ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن ابی عمر العدنی تھے- جیسا کہ امام ذہبی نے ان کا تعارف کرایا ہے۔ان کی توثیق ابن معین اور دارقطنی نے کی ہے۔ابوحاتم رازی نے فرمایا: وہ نیک شخص تھے، لیکن ان میں کچھ غفلت بھی تھی، میں نے ان کے پاس ایک موضوع حدیث دیکھی جسے انہوں نے ابن عیینہ سے روایت کیا، اگرچہ وہ صدوق ہیں۔
امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ مکہ میں کس سے حدیث لکھی جائے؟ تو انہوں نے فرمایا: مکہ میں تو ابن ابی عمر (ہی) ہیں۔ابن حبان نے انہیں الثقات میں ذکر کیا ہے، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں ان سے روایت لی ہے۔مغلطائی نے نقل کیا کہ مسلمہ بن قاسم نے الصلہ میں کہا: [ان میں کوئی حرج نہیں،] اور صاحب الزہرہ نے ذکر کیا کہ: مسلم نے ان سے دوسو سولہ احادیث روایت کیں۔سمعانی نے کہا: وہ ثقہ تھے۔ابن حجر نے ان کے بارے میں کہا: صدوق تھے۔(مراجع: تاریخ ابن معین ۳/۶۰، رقم ۲۶۸ روایت الدوری، الجرح والتعدیل ۸/۱۲۴، الثقات ۹/۹۸، سؤالات البرقانی للدارقطنی ص ۴۸، تہذیب الکمال رقم ۶۳۹۲۶، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۹۶، اکمال تہذیب الکمال ۱۰/۳۹۰، تقریب التہذیب ۶۳۹۱)۔

(۴) المِربَد: میم کے زیر اور باء کے زبر کے ساتھ، اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں اونٹ اور بکریاں وغیرہ باندھی یا روکی جاتی ہیں۔یہ رَبَدَ بالمکان سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: کسی جگہ ٹھہرنا یا قیام کرنا، اور رَبَدَہُ کا مطلب ہے: اسے روک دینا یا باندھ دینا۔(ماخذ: النہایہ فی غریب الحدیث ۲/۱۸۲، مادہ: ربد)

(۵) یعنی: وہ آدمی شدتِ استعجال (جلدی) کے باعث اس قدر بے تاب ہوتا کہ اسے اونٹ کو سفر کے لیے تیار کرنے کا بھی وقت نہ ملتا، کہ باقاعدہ اس پر لگام (رَسّی) ڈالے، بلکہ وہ اپنی عمامہ ہی اونٹ کے سر پر ڈال دیتا تاکہ اسے لگام کی جگہ استعمال کرے۔تاکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو راستے میں جالے۔اور الخِطام اس رسی کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے اونٹ کو ہانکا جاتا ہے۔

(۶) یہ روایت تاریخ دمشق (۳۱/۱۸۱) میں موجود ہے، اور جن جملوں پر معقوفین [ ] لگے ہیں وہ سیر اعلام النبلاء کی زیادت ہیں۔اس کی سند جید ہے۔اگرچہ محمد بن ابی عمر العدنی سے امام مسلم نے بھی روایت لی ہے، لیکن محدثین کی بعض کلام کی وجہ سے ان کی روایت صحیح کے درجہ سے کچھ کم ہو جاتی ہے۔البتہ باقی تمام راوی ثقہ اور شیخین (بخاری و مسلم) کے راوی ہیں۔سفیان سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں، اور نافع وہی مشہور تابعی ہیں، جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام (مولیٰ) تھے۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۲/۱۰۷۶)۔

التخریج:

اس روایت کو امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۳/۲۲۴) میں سفیان بن عیینہ کے طریق سے نقل کیا ہے۔اور اس سے متصل اگلی روایت بھی ملاحظہ فرمائیں۔

[۱۸۰] ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: ہمیں ابن عُلیہ نے حدیث سنائی، وہ ایوب سے روایت کرتے ہیں، وہ نافع سے، وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: جب علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تو وہ میرے پاس

آئے اور فرمایا: ''تم اہلِ شام میں محبوب ہو، اور میں نے تمہیں ان پر عامل مقرر کیا ہے، پس ان کی طرف روانہ ہو جاؤ۔'' ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے قرابت داری (۱) اور سسرالی تعلق کا ذکر کیا (۲)، اور کہا: اما بعد، تو اللہ کی قسم! میں تم سے بیعت نہیں کروں گا (۳)۔ وہ کہتے ہیں: تو انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور باہر چلے گئے۔ پھر کچھ وقت کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ اُم کلثوم (۴) کے پاس آئے، اُن کو سلام کہا، اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ علی رضی اللہ عنہ کے پاس اطلاع پہنچی، تو اُن سے کہا گیا: ابن عمر شام کی طرف روانہ ہو گئے ہیں، لوگوں کو نفیر عام دے دیجیے۔ (راوی) کہتا ہے: تو بعض آدمی اتنی جلدی کرتے کہ اپنی چادر اونٹ کی گردن پر ڈال دیتے۔ پھر اُم کلثوم کے پاس بھی اطلاع پہنچی، تو انہوں نے اپنے والد (علی رضی اللہ عنہ) کو پیغام بھجوایا: آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ وہ شخص تو میرے پاس آیا، مجھے سلام کہا، اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا! پس لوگ رک گئے (۵)۔

---

(۱) جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کا تعلق ہے، جیسا کہ پچھلی روایت میں وضاحت آئی ہے، تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عبداللہ بن عمر بن خطاب - دونوں قریش کے چچیرے بھائی تھے، اور نسب میں ان کا سلسلہ اُن کے جد کعب بن لؤی پر آ کر ملتا ہے۔

(۲) انہوں نے سُسرالی تعلق کا ذکر اس لیے کیا، کیونکہ اُم کلثوم بنت علی بن ابی طالب، اُن کے والد عمر بن خطاب کی زوجہ تھیں۔

(۳) یعنی: میں تم سے شام کی ولایت قبول کرنے پر عہد نہیں کرتا۔ اور بیعت کا مطلب ہے اطاعت اور عہد۔ یہاں بیعت سے مراد خلافت پر بیعت نہیں ہے، کیونکہ سیاق اس پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے جو ہم نے بیان کیا، اور یہ بات محال ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کسی ایسے شخص کو شام پر عامل مقرر کریں جو ان کی بیعت نہ کرے۔
حاصل یہ ہے کہ یہ خبر اس پر دلالت کرتی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان ابتدائی لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کی تھی۔

(۴) اُم کلثوم بنت علی بن ابی طالب ہاشمیہ، جن کی والدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں، ان سے عمر بن خطاب نے نکاح کیا، اور وہ اُن کے نکاح میں شہادت تک رہیں۔ اُن کے بطن سے زید اور رُقیہ پیدا ہوئے۔ اُم کلثوم اور اُن کے بیٹے زید دونوں ایک ہی دن وفات پا گئے، جو خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور کا زمانہ تھا، اور امیرِ مدینہ سعید بن عاص بن اُمیہ، ابن عمر، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم نے اُن دونوں پر نمازِ جنازہ پڑھی۔ (مراجع: الطبقات الکبری ۸ / ۴۶۳، سیر اعلام النبلاء ۳ / ۵۰۰)

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ میں (۳۱۳۱۴) اور (۳۸۴۸۰) پر یہی روایت سند اور متن کے اعتبار سے موجود ہے۔اس کی سند شیخین (بخاری ومسلم) کی شرط پر صحیح ہے۔ابن علیہ کا نام اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم اسدی ہے، اور ایوب سے مراد ایوب سختیانی ہیں۔پچھلی روایت بھی ملاحظہ ہو۔

دونوں روایتوں میں جمع اس طرح ممکن ہے کہ حفصہ اور اُم کلثوم- دونوں نے علی رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا تھا۔

اور یہ خبر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زمانۂ فتنہ میں افواہیں اور جھوٹی خبریں پھیل جاتی تھیں، چنانچہ وہ خبر جو علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی کہ ’’ابن عمر رضی اللہ عنہما شام جا رہے ہیں اور معاویہ کے ساتھ جا ملے ہیں‘‘- قریب تھا کہ وہ ایک نئی فتنہ انگیزی کا سبب بن جائے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: (اللہ ابن عمر اور ان کے والد سے راضی ہو، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسا کون ہوسکتا ہے دین، تقویٰ، علم، عبادت اور خشیتِ الٰہی میں؟(۱)! ایک ایسا شخص جس کے سامنے خلافت پیش کی جائے تو وہ اسے ردّ کر دے، خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر شخص کی طرف سے قضا (قاضی بننے) کی پیشکش ہو تو وہ واپس کر دے، اور علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کی نیابت ہو تو وہ اس سے بھاگ جائے! پس اللہ جسے چاہتا ہے اپنے لیے چن لیتا ہے، اور جسے توبہ کے ساتھ اس کی طرف رجوع نصیب ہو، اسے ہدایت دے دیتا ہے(۲))

(۱) التَّأَلُّہُ: کا مطلب ہے: عبادت اور بندگی اختیار کرنا۔(ماخذ: تاج العروس ۳۶/ ۳۲۴، مادہ: ’’أله‘‘)۔
(۲) سیر اعلام النبلاء (۳/ ۲۳۵)۔

● حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ساتھ ملانے کی کوشش:

[۱۸۱] ابن سعد نے روایت کیا: ہمیں عبداللہ بن جعفر نے خبر دی، انہوں

نے کہا: ہمیں ابوالملیح نے میمون سے روایت کی، وہ کہتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خفیہ طور (۱) پر بھیجا تاکہ وہ یہ جان سکیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے دل میں کیا ہے کیا وہ قتال کا ارادہ رکھتے ہیں یا نہیں؟ تو عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! آپ کو کس چیز نے روکا ہے کہ آپ نکلیں اور ہم آپ سے بیعت کریں؟ آپ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور امیر المؤمنین (عمر رضی اللہ عنہ) کے بیٹے ہیں، اور آپ اس امر (خلافت) کے سب لوگوں سے زیادہ حق دار ہیں!۔ [ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کیا تمام لوگ اس پر متفق ہو چکے ہیں جو تم کہہ رہے ہو؟۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، سوائے چند افراد کے]۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر ہَجَر (۲) میں صرف تین اجنبی آدمی (۳) بھی باقی رہ جائیں تو بھی مجھے اس (خلافت) میں کوئی دلچسپی نہیں! اس پر عمرو رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ وہ قتال کا ارادہ نہیں رکھتے۔ پھر عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ چاہتے ہیں کہ اُس شخص کے لیے بیعت کریں جس پر قریب ہے کہ سب لوگ متفق ہو جائیں (۴)، اور آپ کے لیے زمینوں اور مالوں میں سے اتنا لکھ دیا جائے کہ نہ آپ کو اور نہ آپ کی اولاد کو آئندہ کسی چیز کی حاجت رہے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ''تف ہے تم پر! میرے پاس سے نکل جاؤ، اور دوبارہ میرے پاس نہ آنا۔ افسوس! میرا دین تمہارے دینار و درہم کا محتاج نہیں، اور میں امید رکھتا ہوں کہ میں دنیا سے اس حال میں رخصت ہوں کہ میرے ہاتھ سفید اور پاک ہوں (۵)۔''

(۱) الدَّس کا مطلب ہے: چھپانا، اور الدَّسِیس اُس شخص کو کہتے ہیں جسے کسی کے پیچھے خفیہ طور پر بھیجا جائے تاکہ وہ خبریں لا کر دے۔ (لسان العرب ۶/۸۲، مادہ: دسس)
اور مفہوم یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو خفیہ طور پر بھیجا تاکہ وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خبر لا کر دیں۔

(۲) ھَجَر: یہ ''الھفوف'' نامی شہر ہے، جو احساء میں واقع ہے، اور موجودہ سعودی عرب کے مشرقی علاقے میں ہے۔ (ماخذ: **معجم المعالم الجغرافیة في السیرة النبویة** از عاتق البلادی، ص ۴۰، نیز دیکھیں: معجم البلدان ۵/۳۹۳)
اور ہجَر کو مثال کے طور پر مسافت کی دُوری اور معاملے کی پیچیدگی کے لیے بیان کیا جاتا تھا، اور یہ جگہ کثرتِ نخل (کھجوروں کی زیادتی) کے سبب بھی مثالی مشہور تھی۔
(۳) أعلاج، اس کا مفرد علج ہے، اور اس سے مراد غیر عرب کا فرمرد ہے۔ اسے عُلُوج اور عِلَجة کے صیغوں میں بھی جمع کیا جاتا ہے۔ اور علج کا ایک معنی یہ بھی ہے: سخت اور زبردست آدمی۔ (لسان العرب ۲/۳۲۶، مادہ: علج)
اور کافر اہلِ حل وعقد میں سے نہیں ہوتا، پس اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد واقعی یہی (کفار) ہو تو اسے دوری اور تعذّر (یعنی ناممکن بنانے) پر محمول کیا جائے گا، تاکہ وہ خلافت سے بچ نکلنے کا راستہ اختیار کریں۔
(۴) یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ۔
(۵) الطبقات الکبری (۴/۱۶۴) میں یہ روایت موجود ہے، اس کی سند صحیح ہے، اور اس کے راویوں کا تعارف روایت نمبر [۱۵۷] کے تحت گزر چکا ہے۔ اور جوبات معقوفین [ ] کے درمیان ہے، وہ سیر أعلام النبلاء سے بطورِ اضافہ لی گئی ہے۔
التخریج:
اسے ابن عساکر نے (۳۱/۱۸۷) کے تحت ابن سعد کے طریق سے روایت کیا ہے، اسی سند کے ساتھ۔ اور امام ذہبی نے اسے سیر اعلام النبلاء (۳/۲۲۸) میں ابوالملیح کے طریق سے ذکر کیا ہے۔ پھر شیخ شعیب الارنؤوط نے کہا: ''ابن سعد نے اسے عبداللہ بن جعفر الرقی کے طریق سے روایت کیا ہے...... اور یہ سند صحیح ہے۔'' مزید تفصیل کے لیے اگلی روایت ملاحظہ ہو۔

یہ واقعہ اُس واقعے سے مختلف ہے جو اس کے بعد آتا ہے، اگرچہ دونوں ہی حکمین کے اجتماع کے موقع پر پیش آئے تھے، لیکن میمون جو واقعہ بیان کرتے ہیں، وہ بظاہر پہلے پیش آیا کیونکہ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے درمیان تنہائی میں ہوا، جبکہ دوسرا واقعہ ابوموسیٰ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں پیش آیا۔

[۱۸۲] بلاذری نے روایت کیا: مجھے احمد بن ابراہیم دورقی نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوخَیثمہ نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں وَہب بن جریر نے حدیث سنائی، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے یعلی بن حکیم کو نافع سے روایت کرتے سنا، وہ کہتے ہیں: جب لوگ دومۃ الجندل میں جمع ہوئے تو عمرو رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: ہم نے یہ رائے قائم کی

ہے کہ تم سے بیعت کریں، تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہیں مال دیں، اور تم یہ (خلافت) اُس کے لیے چھوڑ دو جو اس کے بارے میں تم سے زیادہ حریص ہے؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے، مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کے کپڑے کو پکڑ کر انھیں بٹھایا، اور انہوں نے کہا: ''افسوس ہے تجھ پر اے عمرو! تم نے اپنی آخرت کو اپنی دنیا کے بدلے بیچ دیا۔ اللہ کی قسم! میں نہ اس (خلافت) پر مال دوں گا، نہ اس کے بدلے مال قبول کروں گا، اور نہ ہی اسے قبول کروں گا، [مگر جب][1] تمام لوگ اس پر متفق ہوں[2]۔''

---

(۱) مطبوعہ انساب الاشراف میں لفظ ''ھي'' آیا ہے، جبکہ جو لفظ ہم نے نقل کیا ہے وہ تخریج کے مصادر (یعنی ابن سعد، سیر اعلام النبلاء وغیرہ) سے ثابت شدہ ہے۔

(۲) انساب الاشراف (۲/ ۳۴۵) میں یہ روایت موجود ہے۔ اس کی سند صحیح ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں، اور سب کے سب شیخین (بخاری و مسلم) کے رجال میں سے ہیں، سوائے دَورقی کے، جو امام مسلم کے رجال میں سے ہے۔ ابوخَیثمہ سے مراد زُہیر بن حرب ہیں۔ وہب بن جریر، ابن حازم ازدی ہیں۔ اور نافع، ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ پچھلی تخریجات بھی ملاحظہ ہوں، اور اس کی تخریج اگلی روایت میں بھی آئے گی۔

[۱۸۳] ابونعیم الاصبہانی نے روایت کیا: ہمیں احمد بن محمد بن سنان نے، انہوں نے ابوالعباس ثقفی سے، انہوں نے عبداللہ[1] بن جریر بن جبلہ سے، انہوں نے سلیمان بن حرب سے، اور انہوں نے جریر سے، انہوں نے [یعلی][2] سے، اور یعلی نے نافع سے روایت کیا کہ جب ابوموسیٰ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ایامِ حکمین میں آئے، تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس معاملے (خلافت) کے لیے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سوا کسی کو موزوں نہیں سمجھتا۔ اس پر عمرو رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ تم سے بیعت کریں، تو کیا تم اس پر راضی ہو کہ تمہیں بڑا مال دیا جائے، اور تم یہ امر اس کے لیے چھوڑ دو جو تم سے زیادہ اس کا

خواہاں [۳] ہے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما اس پر غضبناک ہو گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے، تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کے کپڑے کا کنارہ پکڑ کر انھیں بٹھایا اور کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! اس نے تو بس یہ کہا کہ تمھیں مال دیا جائے اس شرط پر کہ تم سے بیعت کی جائے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: افسوس ہے تجھ پر اے عمرو! اس نے تو صرف مجھے آزمانا چاہا۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے تو بس کہا تھا کہ تمھیں دیا جائے گا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: نہیں! اللہ کی قسم! میں اس (خلافت) پر نہ کچھ دوں گا، نہ کچھ قبول کروں گا، اور نہ ہی اسے قبول کروں گا، سوائے اس صورت کے کہ تمام مسلمان [۴] اس پر راضی ہوں۔

(۱) ایسے ہی حلیۃ الاولیاء اور مطبوعہ تاریخ دمشق میں بھی ہے، اور تاریخِ دمشق کے محقق نے یہ ذکر کیا ہے کہ ایک مخطوطہ میں ''عبیداللہ'' کا لفظ آیا ہے۔

(۲) حِلیۃ الاولیاء میں یہ لفظ ''یحییٰ'' کی صورت میں تحریف (تصحیف) کا شکار ہو گیا ہے، اور درست لفظ تمام تخریج کے مصادر سے واضح ہے، کیونکہ بلاذری کی سابقہ روایت میں اس کے نام اور اس کے والد کے نام کے ساتھ تصریح موجود ہے، پس وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

(۳) یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ۔

(۴) حلیۃ الاولیاء (۱/۲۹۳) میں یہ روایت پچھلی روایت کی طرح صحیح ہے۔ اور اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں، اور وہ سب شیخین (بخاری ومسلم) کے رجال میں سے ہیں، سوائے احمد بن محمد بن سنان اور عبداللہ بن جریر بن جبلہ کے۔
ابوالعباس ثقفی سے مراد محمد بن اسحاق السَّرَّاج ہیں۔
جہاں تک احمد بن محمد بن سنان کا تعلق ہے، تو مجھے اس کی کوئی ترجَمہ (سوانح) نہیں ملی۔ البتہ حلیۃ الاولیاء (۱/۱۴۳) اور معرفۃ الصحابۃ از ابونعیم (۱/۳۰، رقم: ۹۶) میں آیا ہے کہ اس کی کنیت ''ابوحامد'' تھی۔
جہاں تک عبداللہ بن جریر بن جبلہ کا تعلق ہے، تو مجھے اس نام سے کوئی راوی نہیں ملا۔ پس اگر یہ (عبیداللہ) سے تصحّف ہوا ہو- جیسا کہ تاریخ دمشق کے ایک مخطوطے میں اسی طرح اس کا ضبط کیا گیا ہے- تو مراد عبیداللہ بن جریر بن جبلہ بن ابی رواد العتکی البصری ہیں۔ خَطِیب بغدادی نے ان کے بارے میں کہا: وہ ثقہ تھے، اور ابن حبان نے انھیں اپنی کتاب الثقات (۸/۴۲۸) میں ذکر کیا ہے۔
مزید دیکھیں: تاریخ الاسلام (۶/۳۶۰) تحقیق: بشار عواد معروف، (جبکہ یہ ترجمہ طبعہ تدمری سے ساقط ہے) نیز: الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (۷/۱۴)۔
اور اس بات کو مزید تقویت ملتی ہے کہ وہ (عبیداللہ) ہی ہے، کہ سَرَّاج (یعنی محمد بن اسحاق السراج) اس سے روایت کیا کرتا تھا، اور عبید اللہ، سلیمان بن حرب سے روایت کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ابونعیم الاصبہانی نے حلیۃ الاولیاء میں کہا:

- احمد بن محمد بن سنان نے بیان کیا: ہمیں ابوالعباس السَّرَّاج نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن جریر بن جبلہ نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث سنائی۔۔۔(حلیۃ الاولیاء، ۲ / ۲۵۲)۔
- عبداللہ بن محمد نے ہمیں حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواُسَید نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن جریر بن جبلہ نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث سنائی۔۔۔(حلیۃ الاولیاء، ۱۰/۱۷۲)۔

اور ملاحظہ کریں: حلیۃ الاولیاء (۵/۱۸)، (۵۷۲)، (۴۱)، اور (۱۰/۱۴۷)۔

اور سَرَّاج نے ان سے اپنی حدیث کی کتاب ''حدیث السَّرَّاج'' میں روایت کی ہے (حدیث نمبر: ۴۳۵، ۴۶۵، ۵۸۴، ۶۶۳، ۱۱۰۵، ۱۲۱۷، ۱۷۲۱، ۱۸۳۲، ۱۹۵۲، ۲۱۶۳)۔

اور اپنی مسند میں بھی انہوں نے ان سے روایت کی ہے (حدیث نمبر: ۳۲، ۳۸، ۴۲، ۲۱۵، ۲۵۷، ۳۰۷، ۸۲۴، ۹۰۱، ۱۰۷۵، ۱۳۲۷، ۱۴۵۷)۔

اور مسند (حدیث نمبر ۳۲) میں انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن جریر بن جبلہ نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث سنائی۔۔۔۔

اور حدیث السَّرَّاج (حدیث نمبر ۲۱۹۳) میں انہوں نے کہا: [ہمیں عبداللہ بن جریر نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں حفص بن عمر الضریر نے حدیث سنائی۔۔۔] اس کے محقق نے کہا: [عبداللہ کے نام پر حافظ ضیاء نے اصل نسخے میں نشان لگا دیا تھا، اور حاشیے میں لکھا: (میرا گمان ہے کہ یہ عبید اللہ ہے)]۔

التخریج:

اس روایت کو ابن عساکر نے (۳۱ / ۱۸۴) میں ابونعیم کے طریق سے روایت کیا ہے۔

اور امام ذہبی نے اسے سیر الخلفاء الراشدین (ص: ۲۷۴)، تاریخ الاسلام (۳/۵۵۳ اور ۵/۴۶۴)، سیر اعلام النبلاء (۳/۲۲۶)، اور تذکرۃ الحفاظ (ص: ۳۲۱) میں جریر بن حازم کے طریق سے نقل کیا ہے۔

امام ذہبی نے سیر الخلفاء الراشدین میں جریر کے طریق سے یہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرمایا: [اسے معمر نے بھی زہری سے روایت کیا ہے]۔ نیز پچھلی روایت بھی ملاحظہ فرمائیں۔

امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں یہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

(اس وقت قریب تھا کہ ان کے لیے بیعت منعقد ہو جائے، باوجود اس کے کہ امام علی رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے لوگ موجود تھے۔ اور اگر ان کے لیے بیعت ہو جاتی تو ان پر دو افراد بھی اختلاف نہ کرتے، لیکن اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی اور ان کے لیے بہتر کا انتخاب فرمایا۔[1])

اور امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں فرمایا: (انہوں نے خندق (کی جنگ) میں شرکت کی، اور وہ بیعتِ رضوان کے افراد میں سے تھے، اور ان لوگوں میں سے تھے

جوخلافت کے اہل تھے۔ چنانچہ واقعہ حکمین کے دن ان کا (خلافت کے لیے) نام تجویز کیا گیا، حالانکہ امام علی رضی اللہ عنہ اورعراق کے فاتح سعد (۲) رضی اللہ عنہ جیسے افراد موجود تھے (۳)۔)

(۱) یہ عبارت سیر اعلام النبلاء (۳/۲۲۶) سے ہے۔
(۲) یعنی: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔
(۳) تذكرة الحفاظ للذهبي (۱/۳۳)۔

اور امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں یہ بھی فرمایا: (اللہ ابن عمر اور ان کے والد سے راضی ہو، ابن عمر جیسا کون ہے اس کے دین، ورع، علم، عبادت گزاری (۱) اور خوفِ خدا میں؟ یہ وہ شخص ہے جس کے سامنے خلافت پیش کی جاتی ہے تو وہ انکار کر دیتا ہے، قضاء (عدالت) جیسے منصب کو عثمان جیسے خلیفہ پیش کرتے ہیں تو اسے رد کر دیتا ہے، اور علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کی نیابت (گورنری) کی پیشکش ہوتی ہے تو اس سے بھاگ نکلتا ہے! پس اللہ جسے چاہے اپنے لیے منتخب کرتا ہے، اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے (۲))

(۱) التَّأَلُّهُ: عبادت گزاری اور زہدو تقویٰ اختیار کرنا۔ ماخذ: تاج العروس (۳۶/۳۲۴)، مادہ: ألہ۔
(۲) سیر اعلام النبلاء (۳/۲۳۵)

❑ دوسری شخصیت: ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ

بزرگ امام، فقیہ (ماہرِ فقہ)، اورقاری (قرآن کے ماہر قاری واستاد)

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے بڑے فاتحین میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں اپنے دشمنوں مجوس اور صلیبیوں کو کئی دن دکھائے۔ چنانچہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے (۱۹ ہجری میں) نصیبین فتح کی (۱)، اور ۱۸